پندرہ روزہ
تعمیرِ حیات
لکھنؤ

نفسانیت

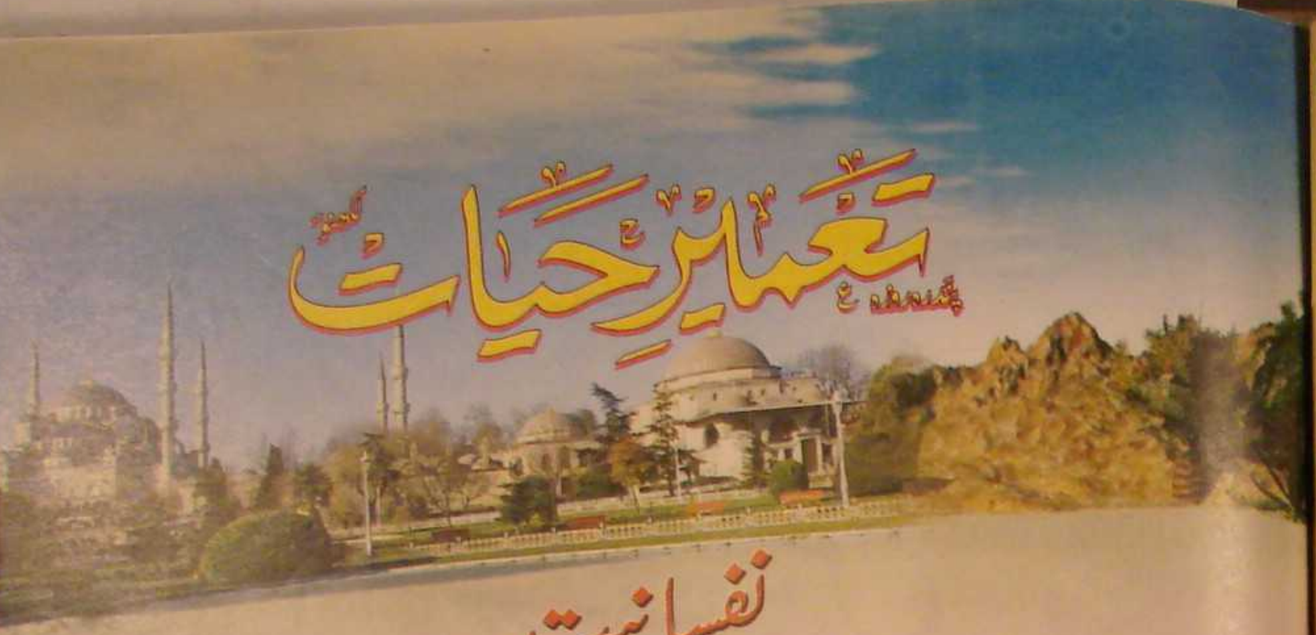

"اللہ کی رضا کے علاوہ کسی بھی نیت سے کام کرنا نفسانیت ہے، مال مل جائے، مال بڑھ جائے، لوگ تعریفیں کریں، بڑا بن جاؤں، شہرت مل جائے، عہدہ مل جائے، مرجع بن جاؤں، میری بات چلنے لگے، میری حیثیت مانی جائے، میری رائے پوچھی جائے، ان اغراض کے لئے کام کرنا ہرگز اخلاص اور للّٰہیت نہیں ہے یہاں تک کہ مخلصینِ خداوعدوں پر یقین رکھتے ہوئے اس موعود کے لئے بھی عمل نہیں کرتے، اس لئے کہ موعود، موعود ضرور ہے مگر مقصود نہیں، اور جو موعود کو مقصود بنایا کرتے ہیں وہ موعود ہی میں پھنس جاتے ہیں اور جو لوگ صرف رضائے الٰہی کو مقصود بنا کر چلتے ہیں ان پر جب خدا کے مواعید پورے ہوتے ہیں اور مال وملک کی نعمتیں ملتی ہیں تو وہ ان کو اپنی ذات پر خرچ کرنے کے بجائے دین کی اشاعت اور مخلوق خدا پر محض رضائے الٰہی کے لئے خرچ کرتے ہیں جیسے صحابہ کرامؓ نے کیا تھا......"

مولانا محمد یوسفؒ
(سوانح یوسفی)

۲۵ جون ۲۰۰۸ء

Rs.10/-

Postal Regd. No.LW/NP/63/2006to2008
R. N. I. No. UP. Urd/2001/6071
Fortnightly
Tameer-e-Hayat
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07
Vol. No. 45 Issue No. 15
10 June 2008
Ph. Off: 0522-2740406
Fax: 0522- 2741221
E-mail: nadwa@sancharnet.in

Mobile: 09415786548
Phone: Shop. 0522-2274606
® 0522-2616731
Mohd. Akram Jewellers
محمد اکرم جویلرس
Near Odeon Cinema, Lucknow

ایم۔کے۔ملک
Qaba Awning
Qaba Awning
قبا اوننگ
مینوفیکچررس
ٹیررس اوننگ ۔ ونڈو اوننگ = ڈوم اوننگ
فکس اوننگ ۔ لان اوننگ ۔ ڈیمو ڈینٹ
سل کراسنگ گوری بازار۔ سروجنی نگر کانپور روڈ۔ لکھنو
Tel : 0522-2817580 - 9335236026 - 9839095795

New
Ph: 2266786
Sana Jewellers
ثنا جویلرس
Riyaz Ahmad
Ghayas Ahmad
۳۰۱/۱۷ سرائے بانس، اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ-۳
301/17, Srai Bans
Akbari Gate, Chowk, Lucknow-3

لکھنؤ کے قدیم مشہور ومعروف صندل سے تیار کردہ
خوشبودار عطریات
روغنیات، عرقیات، کولر پرفیوم، کار پرفیوم، روم فریشنر،
فلور پرفیوم، روح گلاب، روح کیوڑہ، عرق گلاب،
عرق کیوڑہ، اگربتی، ہربل پروڈکٹ
: کی ایک قابل اعتماد دوکان :
ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں
تیار کردہ
اظہارسن پرفیومرس
اکبری گیٹ چوک لکھنؤ
برانچ: C-5، جنپتھ مارکٹ، حضرت گنج
IZHARSON PERFUMERS
H.O. : Akbari Gate, Chowk, Lucknow.
Tel.: 0522-2255257 Mobile : +91-9415009102
Branch : C-5 Janpath Market, Hazratganj
Lucknow 226001U.P. INDIA Cell:+ 91-9415784932
E-mail : izharsonperfumers@yahoo.com

Res: 2226177
Akbari Gate
2268845
Shop: 9415002532
2613736
3958875
سونے چاندی کی دنیا میں ۷۵ سالہ دیرینہ نام
حاجی صفی اللہ جویلرس
ہمارا نیا شوروم
گڑبڑ جھالے کے سامنے امین آباد لکھنؤ
پروپرائٹر: محمد اسلم
HAJI SAFIULLAH JEWELLERS
Opp: Gadbad Jhala Aminabad, Lucknow-18

Editor Shamsul Haq Nadwi, Printed & Published by Athar Husain
On behalf Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at Azad Printing Press Mahboob Building Nazirabad, Lko. Ph:0522-2614685
DESIGNED BY HAMID, DALIGANJ LUCKNOW. Mobile : 9889654027 - 9415769282

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِس شمارے میں

شعروادب

ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہے... علامہ اقبالؒ ۲

اداریہ

مکہ کا اعلامیہ...... نذرالحفیظ ندوی ۳

حقیقت دین

وراثت ابراہیمی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ ۵

رحمت عالم

رسول پاک ﷺ کی رحمۃ للعالمینی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ۹

چشم کشا

تقویٰ کی کسوٹی مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی ۱۲

وفیات

آہ! برادر عزیز مولوی ڈاکٹر سید محمد اجتباء ندویؒ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ۱۴

فکر بوالحسن

مفکر اسلام......تاریخ ساز شخصیت مولانا ڈاکٹر سید سلمان ندوی ۱۶

عالم اسلام

غزہ کا محاصرہ یا فلسطینیوں کی نسل کشی ریاض احمد صدیقی ۲۰

یاد رفتگاں

مولانا عارف صاحب ندویؒ سلمان نسیم ندوی ۲۴

فقہ وفتویٰ

سوال وجواب مفتی محمد ظفر عالم ندوی ۲۸

گوشۂ اطفال

عارف باللہ حضرت سید شاہ نفیس الحسینیؒ سید محمد امین حسنی ۲۹

وفیات

مولانا ڈاکٹر سید محمد اجتباء ندوی کی وفات ادارہ ۳۰

ندوۃ العلماء میں تعزیتی جلسہ ادارہ ۳۱

رائے بریلی میں تعزیتی جلسہ ادارہ ۳۲

پندرہ روزہ

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

جلد نمبر ۴۵ شمارہ نمبر ۱۶

۲۵/جون ۲۰۰۸ء مطابق ۲۰/جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ

زیر سرپرستی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

پروفیسر وصی احمد صدیقی

(معتمد مال ندوۃ العلماء لکھنؤ)

زیر نگرانی

مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی

(ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر عام

مولانا شمس الحق ندوی

مدیر مسئول

مولانا نذرالحفیظ ندوی

نائب مدیر

محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت

● مولانا عبداللہ حسنی ندوی ● مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری

● امین الدین شجاع الدین

سالانہ زرتعاون ۲۰۰/ ـــــــ فی شمارہ ۱۰/

ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے ۴۰/ ڈالر

ڈرافٹ بنام تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء، لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں، چیک سے بھیجی جانے والی رقم قابل قبول نہ ہوگی۔ اس میں ادارہ کا نقصان ہوتا ہے۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

Tameer-e-Hayat

P.O.Box No.93 Tagormarg, Badshah Bagh, Lucknow-7

E-mail: nadwa@sancharnet.in Ph: (0522) 2740406

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

آپ کے خریداری نمبر کے پہلے اگر کالی لکیر ہے تو سمجھئے کہ آپ کا زر تعاون ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا جلدی زر تعاون ارسال کریں اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، اگر موبائل یا فون نمبر ہو تو اپنے شہر کے کوڈ نمبر کے ساتھ لکھئے۔ (مدیر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات، ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ، لکھنؤ سے شائع کیا۔

(Hashmat Ali) Tameer-e-Hayat, Lko.

Ph:2260433

جدید دلکش سونے، چاندی کے زیورات کیلئے ہمارے شوروم

گہنہ پیلیس

میں آپ کا خیر مقدم ہے

Gehna Palace

Whenever you see Jewellery

Think of us

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد معروف خاں، محمد فاروق خاں (چاند)

ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ

ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہے نوعِ انساں کو

علامہ اقبالؒ

تو رازِ کُن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہوجا
خودی کا راز داں ہوجا، خدا کا ترجماں ہوجا

ہوس نے کردیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اخوت کا بیاں ہوجا، محبت کی زباں ہوجا

یہ ہندی، وہ خراسانی، یہ افغانی، وہ تورانی
تو اے شرمندۂ ساحل اُچھل کر بے کراں ہوجا

غبار آلودۂ رنگ ونسب ہیں بال وپر تیرے
تو اے مرغِ حرم اڑنے سے پہلے پُرفشاں ہوجا

خودی میں ڈوب جا غافل! یہ سرِ زندگانی ہے
نکل کر حلقۂ شام وسحر سے جاوداں ہوجا

مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر
شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہوجا

گزرجا بن کے سیلِ تند رو کوہ وبیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہوجا

ترے علم ومحبت کی نہیں ہے انتہا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر سازِ فطرت میں نوا کوئی

☆☆☆☆☆

مکہ اعلامیہ

سنامی طوفان کے مقابلہ میں چراغ درویش

نذرالحفیظ ندوی

بلد امین مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی کے زیراہتمام منعقد عالمی کانفرنس میں شریک سات سو سے زائد مفکرین، دانشوروں اور علماء وداعیوں نے جواعلامیہ جاری کیا ہے وہ دہشت گردی اور نفرت وعداوت کے مغربی طوفان کے مقابلہ میں چراغ درویش جلانے کے مرادف ہے اور توقع کے عین مطابق ہے، سب سے پہلے ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اسی جگہ کو شہر امن وامان اور پوری دنیا کے انسانوں کی صلاح وفلاح کا مرکز بنانے کی دعا کی تھی جو قبول ہوئی، پھر خاتم الانبیاء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحروبر میں پھیلی تاریکی کو دور کرنے کے لیے شمع مدام روشن کیا جب تک انسانیت اس روشنی میں سفر کرتی رہی کامیابی وکامرانی اس کے قدم چومتی رہی لیکن جب سے مغربی دنیا نے اس روشنی سے بے نیاز ہوکر دنیائے انسانیت کی قیادت کرنے کی کوشش کی تبھی سے انسانیت زارونزار ہونے لگی، مکہ مکرمہ کا اعلامیہ دراصل اسی چراغ کی روشنی میں جدید دور کی جاہلیت کو زندگی کا سفر طے کرنے کی دعوت ہے۔

قرآن مجید کے اسلوب دعوت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مثبت اور تعمیری پہلو غالب ہے وہ تمام مذاہب کو ان اعلیٰ قدروں کی طرف بلاتا ہے جو سب کے درمیان مشترک ہیں: ﴿یَااَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلیٰ کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئاً وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً اَرْبَاباً مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾۔

خاتم الانبیاء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں اپنی مبارک زندگی کے تیرہ سال اسی طرح گزارے، اس دور میں جو کانٹوں سے بھرا اور سنگین خطرات کا جہاں قدم قدم پر سامنا تھا ہمیشہ آپ کو صبر وضبط اور حکمت ودانشمندی، موعظ حسنہ اور جدال بالحسنیٰ کی تلقین کی جاتی رہی، تیرہ سال کی یہ پوری مدت افہام وتفہیم میں آپ نے گزاری، اس دور میں تعداد کے لحاظ سے بظاہر کوئی بڑی کامیابی نظر نہیں آئی لیکن یہ واقعہ ہے کہ بعد کے نتائج اور اسلامی دعوت کی مستحکم اور شاندار عمارت اسی بنیاد پر قائم ہوئی، میڈیا کے اس دور میں جب کہ مسلمانوں کو خاص طور سے ذہنی ونفسیاتی طور پر توڑنے اور ان کے جذبات کو مشتعل کرنے کی ہر طرح سے سازش کی جارہی ہے تاکہ ان کی معنوی صلاحیتیں ختم ہوجائیں، تعمیر کے بجائے تخریب کی طرف ان کو موڑ دیا جائے، مکی زندگی کا پیغام ہمارے لیے خاص طور پر اس دور میں نمونہ ہے۔

رابطہ عالم اسلامی کے دعوتی مراکز مغربی ہی نہیں ایشیا وافریقہ میں پھیلے ہوئے ہیں، ان مراکز میں غیر مسلموں کی آمد برابر ہوتی رہتی تھی، اسی طرح مغربی ملکوں میں مقیم داعیوں اور دینی ودعوتی تنظیموں نے انفرادی اور اجتماعی طور پر دعوت کا کام جاری رکھا تھا، لیکن نائن الیون کے بعد غیر مسلموں

کے ساتھ ڈائیلاگ میں غیر معمولی تیزی آرہی تھی، اس کے نتائج بھی غیر معمولی سرعت سے سامنے آرہے تھے اتنی بڑی تعداد میں اسلام قبول کرنے کے واقعات پیش آرہے تھے کہ ان نومسلموں کو سنبھالنا مشکل ہورہا تھا، اسی صورت حال کو سامنے رکھ کر رابطہ عالم اسلامی نے اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی کہ وہ غیر مسلموں کے ساتھ ڈائیلاگ کے اصول وضوابط اور طریقہ کار طے کرے اور تجربات کی روشنی میں اس کام کو منصوبہ بندی کے ساتھ عالمی سطح پر انجام دے کہ یہ وقت کا تقاضا ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ موضوع بڑا نازک اور حساس ہے، ذرا سی بے احتیاطی سے اس کے ڈانڈے وحدت ادیان سے مل جاتے ہیں

چنانچہ پوری دنیا سے سات سو سے زائد داعیوں، دانشوروں، علماء اور قائدین امت نے اس سیمینار میں شرکت کی، کانفرنس میں جن موضوعات پر مقالات پیش کرنے کے بعد جن امور پر بحث ومباحثہ ہوا اس کی روشنی میں پندرہ نکات پر ایک اعلانیہ تیار کیا گیا، اس بیان میں کہا گیا کہ امریکہ واسرائیل کی مشترکہ سازش نے پوری دنیا میں اسلام کے خلاف جنگ کی فضا پیدا کردی ہے، دوسری طرف پوری دنیا کے اندر تشدد، فحاشی، عریانی بڑے پیمانے پر پھیل رہی ہے اس خوفناک طوفان نے تمام اخلاقی قدروں کو تباہ وبرباد کردیا ہے، مسلمان خاص طور سے اس کا نشانہ ہیں اور ان ہی کے پاس ان مشکلات ومسائل کا حل ہے، لیکن جس عالمگیر پیمانے پر تمام انسان اس فساد سے متاثر ہورہے ہیں اس میں تنہا مسلمان ہی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے، ضرورت ہے کہ اس عالمگیر فساد کے مقابلہ کے لیے پوری دنیا کے مذاہب اور ان کے ماننے والے کاندھے سے کاندھا ملا کر اٹھ کھڑے ہوں اور باہمی تعاون سے شر وفساد کے آگے بند تعمیر کریں۔

رابطہ عالم اسلامی کی یہ دعوت وقت کی آواز ہے، اسلامی دنیا کے ممتاز داعی ومفکر مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے آج سے نصف صدی پہلے ہندوستان کے حالات کو سامنے رکھ کر محدود پیمانے پر اپنے ہم وطنوں کے ساتھ ڈائیلاگ کا آغاز پیام انسانیت کے عنوان سے کیا تھا، یہ سلسلہ انفرادی اور اجتماعی طور پر ہمارے ملک میں جاری ہے اور اس کے مفید نتائج سامنے آرہے ہیں، رابطہ کے پاس باصلاحیت افراد بھی ہیں اور وسائل بھی، جب سعودی عرب جیسی مملکت اس کی سرپرستی کرے جس کی بنیاد ہی دعوت پر قائم ہوئی تھی، تو اس کی عالمگیر پیمانے پر نظم اور منصوبہ بند طریقے سے کارکردگی نتیجہ خیز، مفید اور بارآور ہوسکتی ہے۔

ہم سب مسلمانوں کے لیے یہ اعلانیہ فال نیک اور امیدوں کا ایک چراغ ہے جس سے تاریکی کو دور کرنے میں مدد ملے گی۔

ہوا ہے گو تند وتیز لیکن، چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش حق نے جس کو دیے ہیں انداز خسروانہ

☆☆☆☆☆

انا للہ وانا الیہ راجعون

۲۰؍جون ۲۰۰۸ء کو جمعہ کے مبارک دن دہلی سے اچانک انتہائی افسوسناک خبر آئی کہ ندوۃ العلماء کے نامور فرزند اور مشہور ادیب وخطیب مولانا ڈاکٹر سید محمد اجتباء حسینی ندوی کا دل کے آپریشن کے بعد انتقال ہوگیا، یہ واقعہ صرف ندوی فرزندوں ہی کے لیے نہیں بلکہ پوری ملت کے لیے بڑا صدمہ اور دینی ودعوتی حلقوں کے لیے خسارہ ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں انہیں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، ادارہ تعمیر حیات خاص طور سے مولانا مرحوم کے تمام اہل تعلق سے تعزیت کرتا ہے۔ اس سے ایک دن پہلے ۱۹؍جون کو مولانا محمد عامر حسینی ندوی کا انتقال ہم سبھوں کو غمزدہ کرگیا تھا۔ تفصیلی رپورٹ ملاحظہ فرمائیں۔

وراثت ابراہیمی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ نے برما میں سورتی برمی مسلمانوں کے سامنے اہم، روح پرور اور انقلاب انگیز تقریریں فرمائی تھیں یہ تقریریں ابھی تک کتابی شکل میں شائع نہ ہوسکی تھیں، اب یہ سعادت مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ کو حاصل ہورہی ہے، جو کہ "تحفۂ برما" کے نام سے اس کا مجموعہ شائع کررہی ہے، اسی مجموعہ سے یہ تقریر افادہ عام کے لیے پیش کی جارہی ہے۔

اَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
"وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِنْھَا کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیَاتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ"

دوستو! عزیزو اور بزرگو! ہمارے اور آپ کے اوپر سب سے زیادہ اور سب سے بڑا اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہم کو وجود عطا فرمایا۔ اس دنیا میں بھیجا اور زندگی عطا فرمائی، دینی اور دنیاوی جتنی بھی نعمتیں، جتنی ترقیاں، جتنے کمالات، جتنی لذتیں اور عزتیں ہیں، سب کا سرچشمہ اور سب کا اصل سبب یہ زندگی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو اور آپ کو عطا کی ہے۔ نہ ہم زندگی کا خلعت پہن کر اس عالم میں آتے اور نہ ایمان کی دولت سے، جان کی دولت سے، علم کی دولت سے، اور ان تمام دولتوں سے آشنا اور لطف اندوز ہوتے جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس دنیا میں عطا فرمائیں اور ہمارے لیے مقدر کی ہیں۔

زندگی

ہماری یہ زندگی ہی ساری ترقیوں، سارے کمالات اور سارے احساسات کی جڑ ہے اور ان کا حقیقی سبب ہے، اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کا فیصلہ ہمارے متعلق اس دنیا میں آنے کا ہوتا ہی نہیں، تو پھر یہ ساری ترقیاں اور یہ سارے کمالات جو انسان کے لیے ممکن ہیں، اور اگر وہ خوش نصیب ہے تو ان کمالات کو حاصل بھی کرتا ہے یہ سب اس کو کچھ نہ ملتا۔ انبیاء علیہم السلام کی نبوت، اولیاء کرام کی ولایت، اہل علم کا علم، اور ان کے علمی کمالات، اہل معرفت کی معرفت اور ان کے عارفانہ مقامات، سب کے سب اس نعمت کا نتیجہ ہیں، بڑی مبارک گھڑی تھی میرے دوستو! جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت اور ارادۂ الٰہی نے ہمارے اور آپ کے لیے اس دنیا میں آنے کا فیصلہ فرمایا۔

زندگی کی نعمت کا شکریہ

بس یہ فیصلہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہمارے اوپر گھنگھور گھٹا کی طرح، اور ایک موسلا دھار بارش کی طرح برسیں، اللہ کی اس نعمت ورحمت کی بارش کے قطروں کا کوئی شمار نہیں کرسکتا۔ کیا کوئی بارش کے قطروں کا شمار کرسکتا ہے؟ آپ کا یہ ملک ایک بارشی ملک ہے، یہاں بڑی موسلا دھار بارش ہوتی ہے، کسی ایک گھنٹہ کی بارش کے قطروں اور بوندوں کو کوئی گن سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں جو ہم پر بارش کی طرح برسیں اس بارش کے قطروں کو کون گن سکتا ہے۔ اگر انسان ایک قطرہ کا شکر ادا کرنا چاہے، اور اس کے شکریہ کا حق ادا کرنا چاہے تو ہرگز نہیں کرسکتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا"

اگر کبھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شمار کرنے کا تم بیڑا اٹھاؤ تو تم ان نعمتوں کا شمار نہیں کرسکتے۔

زندگی کی اس نعمت کا جتنا بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔ اسی زندگی نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اللہ کو پہچانیں، جو سب سے بڑی دولت ہے، اسی زندگی نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اللہ کا نام لے سکیں جو سب سے بڑی عزت ہے، اسی زندگی نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اللہ کی محبت کو دل میں بسائیں جو سب سے بڑی لذت ہے، اسی زندگی نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اللہ کے حقوق کو جانیں، اس کے احسانات کو پہچانیں، جو سب سے بڑی معرفت ہے، اسی زندگی نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اللہ کی اس لطیف ہوا میں سانس لیں اور جان ڈالنے والا، زندگی بخشنے والا پانی میں اور اللہ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسی زندگی نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اس کی نہ فنا ہونے والی نعمتوں کو حاصل کرنے کا حوصلہ پیدا کریں اور اس غیر فانی زندگی کی (جس کا اس کی نعمتوں کے صحیح استعمال سے، صحیح معرفت سے، استحقاق پیدا ہوتا ہے) تمنا کریں اور اس زندگی کے لیے کوشش کریں۔ اس حقیقت کو قرآن مجید نے واضح کرکے اللہ کی نسبت یوں بیان کررہا ہے کہ:

"اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ

أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً"۔

(جس نے موت اور زندگی کو بنایا تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں کون سب سے اچھا عمل کرنے والا ہے)

زندگی کی بدولت

دنیا میں آنے کے بعد جس کو جو کچھ ملا وہ اسی زندگی کی بدولت ملا، اگر ہم اس دنیا میں نہ آتے، اگر فیصلہ خداوندی یہ ہوتا کہ ہم اس دنیا میں نہ آئیں، کروڑوں روحیں ہیں جو اس دنیا میں نہیں آئیں۔ بے چین ہیں اس دنیا میں آنے کے لیے، لیکن فیصلہ خداوندی نہیں ہے ان کے لیے کہ اس دنیا میں آئیں، وہ ان تمام کمالات سے، ان تمام ترقیات سے، اس غیر فانی زندگی سے جنت کی نعمتوں سے، اللہ کی معرفت اور ایمان سے محروم رہیں، یہ محض اللہ کا فضل تھا، ہماری ذاتی لیاقت کو اس میں دخل نہیں، ہم نے اس کا استحقاق نہیں پیدا کیا، ان کروڑوں ہستیوں کے مقابلے میں جو زندگی کی اس نعمت سے محروم رہیں ہمیں کوئی ترجیح حاصل نہیں۔ یہ محض اللہ کا فضل ہے، کہ ہم ناچیز انسانوں کے لیے اس نے فیصلہ کیا کہ ہم دنیا میں آئیں، اور اس دنیا میں صحیح طریقہ پر، صحیح راستہ پر، محنت کرکے، اور کوشش کرکے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے مستحق بنیں، جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مقدر فرمائی ہیں، اور ان انسانی کمالات کو حاصل کریں جو انسان کے لیے ممکن ہیں، وہ امکانات وہ کمالات، انسان کی پرواز کی وہ حدیں کہ جہاں تک کسی انسان کا ذہن بھی نہیں پہنچ سکتا۔ ان فضاؤں میں پرواز کے لیے، اور ان کمالات تک پہنچنے کے لیے، انسانیت کی، اپنے ایمان کی، اپنے معرفت کی، اپنے علم کی، اپنے تعلق باللہ کی تکمیل کرنے کے لیے، اللہ نے ہم کو اس دنیا میں بھیجا اور ہم کو توفیق دی۔

احسان کی تکمیل

یہ اتنا بڑا احسان ہے کہ اگر ہم ساری عمر اسی ایک احسان کو یاد کریں اور اس کا شکر ادا کرنے کی کوشش کریں تو ہم اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، اس سے فارغ نہیں ہو سکتے، لیکن اس احسان کا ایک تکملہ، اور اس احسان کا یوں سمجھئے کہ ایک ضمیر ہے، اس احسان کی اللہ تعالیٰ نے تکمیل اس طرح فرمائی کہ ہمارے اس خاکی جسم میں جو کسی قابل نہ تھا، کثیف، بھاری، وزنی، نیچے کی طرف جانے والا، ٹوٹ پھوٹ جانے والا، فساد کو قبول کرنے والا، بیماریوں کو دعوت دینے والا، بگڑ جانے کے لیے، بکھر جانے کے لیے، مٹ جانے کے لیے، خاک میں مل جانے کے لیے، ہر وقت تیار، مشتاق، اس جسم میں اللہ نے اپنی ایک امانت، ایک سرالٰہی اس میں ڈالا، جس کا نام روح ہے، یہ ہمارا جسم خاکی، یہ پنجرہ، یہ قفس بالکل بیکار تھا، مٹی سے بنا تھا، اس کی فطرت مٹی تھی، یہ مٹی ہی میں ملنے کے لیے ہر وقت بے تاب تھا، ہر چیز اپنے اصل کی طرف جاتی ہے، یہ نیچے کی طرف آنے والا جسم یہ خواہشات سے بھرا ہوا جسم، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ایک امانت ودیعت فرمائی۔

روح اور روح الروح!

ایک سرّ الٰہی، ایک راز اس کی قدرت کا، اس کی حکمت کا اس کی صنعت کا ایک راز جس کو روح کہتے ہیں، اس انسان میں ساری استعدادیں، اور ساری صلاحیتیں اس روح کی بدولت پیدا ہوئیں، یہ روح ایک سرالٰہی ہے، خدا کا ایک راز ہے، یہ خزانہ غیب کی ایک چیز ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے اس جسم میں ڈالا تاکہ یہ جسم ان تمام کمالات اور ترقیات کے لیے تیار ہو جائے اور ان کا اہل بنے، اور ان کو قبول کر سکے، جو بغیر اس روح کے اور بغیر اس سرالٰہی کے، بغیر اس مناسبت الٰہی کے، انسان کی رسائی سے باہر تھے، یہ اس احسان کی تکمیل ہے، یہ انسان کی تاریخ کا ایک دوسرا باب ہے۔

لیکن ابھی یہ احسان مکمل نہیں ہوا، اس کے بعد یہ احسان اس طرح مکمل فرمایا کہ اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے اس میں ایک دوسری جان پیدا کی، ایک جان تو ہے جس کو روح کہتے ہیں، اور جس کو ہم سب، آپ محسوس کرتے ہیں، اور اس کا تجربہ کرتے ہیں اور ایک وہ جان ہے جس کو ایمان کہتے ہیں، جس طریقہ سے ہمارے اس جسم کے لیے یہ روح جسم کی جان ہے، اسی طریقہ سے اس روح کے لیے وہ ایمان جان ہے، اگر اس کو روح جسم کہئے تو اس کو روح الروح کہئے، اگر ہماری یہ روح اس قسم کی جان ہے جس سے کہ ہمارے اس جسم میں حرکت پیدا ہوتی ہے، آنکھوں میں بینائی آتی ہے، کانوں میں شنوائی آتی ہے دماغوں میں سوچنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، دل میں محبت کرنے، خوف کرنے، تعلق پیدا کرنے، درد پیدا کرنے، دردمندی، احساس اور لطافت کی اس میں صلاحیت پیدا ہوتی ہے، اسی طریقے سے اس روح میں ذکاوت، اس روح میں لطافت، اس روح میں احساس، اس روح میں پرواز، اور اس روح میں بلندی، اس روح میں حرارت اور اس روح میں صحیح معرفت پیدا ہوتی ہے اس ایمان سے۔

روح حیوانی اور روح ایمانی

اللہ نے درحقیقت ہمارے جسم کے اندر دو روحیں پیدا کی ہیں، ایک روح حیوانی، اور ایک روح ایمانی، روح حیوانی کا مخزن تو ہے اللہ تبارک

وتعالیٰ کا وہ خزانہ غیب، جہاں سے روح آتی ہے، اور روح ایمانی کا مخزن ہے، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم، ہم پہلی مرتبہ تو اس روح سے زندہ ہوئے اور دوسری مرتبہ اس ایمانی روح سے زندہ ہوئے، اگر اللہ تعالیٰ ہمارے جسم میں صرف جسمانی روح ڈالتا یہ بھی اس کا بڑا فضل تھا، بڑی مہربانی تھی، دنیا میں کروڑوں، اربوں انسانوں میں اس نے وہ روح پیدا کی، آج وہ دنیا میں اپنی زندگی کا مظاہرہ کرتے ہیں، زندگی کا ثبوت دیتے ہیں، ہواؤں میں وہ پرواز کرتے ہیں، سمندروں پر دوڑے دوڑے پھرتے ہیں، اپنی طاقت کا، اپنی حرکت کا، اپنی زندگی کا، اپنی ذہانت کا انہوں نے دنیا میں ثبوت دیدیا، اور جگہ جگہ انہوں نے اپنی زندگی کا نقش قائم کردیا۔

زندہ مگر مردہ!

یہ بھی اس کا بڑا فضل تھا، لیکن اللہ کا یہ احسان تکمیل کے اس درجہ کو نہ پہنچتا اگر وہ اپنے فضل سے ہمارے اندر روح ایمانی نہ ڈالتا۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے صاف صاف یوں بیان کیا ہے، اس کا ارشاد ہے:

"أَوَمَنْ كَانَ مَيْتاً فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُوراً يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بھلا وہ جو مردہ تھا، باوجود روح کے مردہ تھا ایسا بھی ہوتا ہے، روح اندر موجود ہے، کھانے کے لیے زندہ، پینے کے لیے زندہ، بولنے کے لیے زندہ، تماشہ دیکھنے کے لیے زندہ، اپنی قوت کا ثبوت دینے کے لیے زندہ، ظلم کرنے کے لیے زندہ، اپنی نفس کے خواہشوں اور شہوتوں کو پورا کرنے کے لیے زندہ، دوسروں کو مغلوب کرنے کے لیے زندہ، مظلوم پر ظلم کرنے کے لیے زندہ، بیکسوں پر ظلم وستم کرنے کے لیے زندہ، دوسرے انسانوں کو پامال کرنے اور روندنے کے لیے زندہ، ملکوں کو تاراج کرنے کے لیے زندہ، ہزاروں گھروں کے چراغ گل کرنے کے لیے زندہ، ہزاروں تودوں کو ان کے چولھے پر سے اتارنے کے لیے زندہ، لاکھوں انسانوں کا پیٹ پھاڑنے اور کاٹنے کے لیے زندہ، تمام دنیا کو آگ سے اور خون سے بھر دینے کے لیے زندہ، مگر خدا کی معرفت کے لیے مردہ، خدا کے علم صحیح کے لیے مردہ، عدل وانصاف کے لیے مردہ، اپنے انسانیت کو پہچاننے کے لیے مردہ، اپنی زندگی کے مقصد کو جاننے کے لیے مردہ، اللہ کے سامنے ایک مرتبہ سر جھکانے کے لیے مردہ اور بیکار، اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے لیے مردہ، اللہ کے سامنے دو حرف اپنی التجا کے، مناجات کے، بھیک اور سوال کے کہنے کے لیے مردہ۔

حقیقت میں زندہ

تو ایک زندگی کی قسم یہ بھی ہے، محدود زندگی، فانی زندگی، دیکھنے بھر کی زندگی، کہ آدمی اپنے ہاتھ پاؤں کے اعتبار سے زندہ اور ایسا زندہ کہ لاکھوں انسانوں کو اس کی زندگی کے لیے قربان ہو جانا پڑتا ہے، اس کی زندگی کے بھینٹ چڑھ جانا پڑتا ہے، اس کی زندگی کی قیمت ادا کرنے کے لیے قوموں اور ملکوں کو تیار رہنا پڑتا ہے، ایسی زندگی کہ اس پر اللہ کی لاکھوں کروڑوں لعنتیں فرشتوں کی لعنتیں، ارواح مقدسہ کی لعنتیں اس کے لیے انسان زندہ ہے، ایک غریب اور یتیم کے منہ پر طمانچہ مارنے کے لیے زندہ، اور ایک بیوہ کے سر کا آنچل چھیننے کے لیے، اور اس کو بے ستر کرنے کے لیے زندہ، ایک آدمی جس کے پاس ایک دانہ ہے، ایک لقمہ ہے، اس کا وہ لقمہ بھی چھین لینے کے لیے زندہ، لیکن عدل وانصاف کے لیے اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے، اس کی حرکت ختم ہو جاتی ہے، اس کے اعضا جواب دے جاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اومن کان میتاً فاحییناہ، بھلا وہ جو اگرچہ زندہ تھا پھر بھی مردہ تھا، دیکھنے میں زندہ تھا لیکن حقیقت میں مردہ تھا، اومن کان میتاً ہمارے لیے وہ مردہ تھا، اپنی روح کے لیے مردہ تھا، اپنے انجام کے لے وہ مردہ تھا، یوں پیٹ بھر کر جانوروں کی طرح کھانے کے لیے وہ زندہ تھا، اور اپنی شہوت رانی اور اپنی نفس پرستی کے لیے وہ زندہ تھا، فاحییناہ ہم نے اس کو زندہ کردیا، ہم نے اس کی زندگی مکمل کردی ہم نے اس کو حقیقی معنوں میں زندہ کردیا، اب وہ زندہ کہلانے کا مستحق ہے۔

زندگی کے بعد روشنی

اور اتنا ہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ: "وَجَعَلْنَالَهُ نُوراً يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ" ہم نے اس کو وہ روشنی عطا کی، جس کے سہارے وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے، جس طرح تم دیکھتے ہو کہ بازاروں میں موٹریں ٹکراجاتی ہیں، اگر ٹریفک کنٹرول نہ کیا جائے، اگر سپاہی کھڑا نہ ہو، تو موٹر موٹر سے ٹکراجائے، ہوائی جہاز، ہوائی جہاز سے ٹکراجائے، کشتی کشتی سے ٹکراجائے، اور ایک انسان اندھیرے میں دوسرے انسان سے ٹکراجاتا ہے۔ اسی طریقہ سے اگر اللہ کی روشنی نہ ہو، اللہ کسی کو روشنی عطا نہ فرمائے، تو انسان انسان سے ٹکرائے، قوم قوم سے ٹکرائے، ملک ملک سے ٹکرائے، تمدن تمدن سے ٹکرائے، تہذیب تہذیب سے ٹکرائے، طاقت طاقت سے ٹکرائے، ایک شخص کا مقصد دوسرے شخص کے مقصد سے ٹکرائے، اغراض میں تصادم ہو، مفادات میں تصادم ہو، انسانیت،

انسانیت سے ٹکرائے، انسان انسان سے ٹکرائے، ایک باپ کا بیٹا، باپ سے ٹکرائے، مرد عورت سے ٹکرائے، عورت مرد سے ٹکرائے، فرماتا ہے وجعلنا له نوراً ہم نے اس کو روشنی بھی عطا کی، انسانوں کے جنگل میں چلنے کے لیے ان راستوں میں ان تنگ وتاریک گلیوں میں سے گزرنے کے لیے اس کو چراغ بھی اور مشعل کی بھی ضرورت ہے تو ہم نے اس کو زندگی بھی عطا کی اور روشنی بھی بخشی وجعلنا له نوراً ہم نے اس کو ایسی روشنی دی، جس کے سہارے وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے، ٹکراتا نہیں ہے، بھلے مانسوں کی طرح۔

اللہ کے خاص بندے

اچھے طور وطریق اختیار کرنے، صحیح اسلامی وایمانی زندگی گزارنے اور اللہ کے انعامات کی قدردانی کے بعد وہ خصوصیت وامتیاز حاصل ہوجاتا ہے جو بندوں کو بندوں سے ممتاز کرتا ہے، اللہ نے اپنے ان خاص بندوں کی خود اپنے کلام پاک میں تعریف بیان کی ہے، سورہ الفرقان کی آخری آیتیں اسی سے متعلق ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا".

اللہ کے وہ بھلے انسان، وہ معقول انسان جو زمین پر شریفوں کے چال چلتے ہیں، بھلے مانسوں اور انسانوں کی طرح چلتے ہیں، یمشون علی الارض هونا دبے پاؤں چلتے ہیں کہ چیونٹی بھی ان کے پاؤں کے نیچے نہ آنے پائے، کوئی کمزور ہستی ان کے پاؤں سے روندی نہ جائے، کسی پر ظلم نہ ہونے پائے، ان کی زندگی کی حرکت کسی کی زندگی کا خاتمہ نہ کرے، واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاماً اور جب جاہل ان سے منہ لگتے ہیں تو کہتے ہیں بھائی صاحب! سلامت، معاف کرو، ہمارے پاس اتنا وقت نہیں تم سے لڑنے کا، تم سے بحث کرنے کا۔

انسان کی پستی

دوستو! ہم انسان، اللہ کی دی ہوئی اس روشنی اور عقل کے باوجود صحیح راستہ نہیں پاسکتے، ہم اپنے جیسے انسانوں کے سامنے بلکہ اپنے سے بھی پست تر اور ذلیل تر مخلوقات کے سامنے سر جھکاتے ہیں، انسان کی تاریخ، انسان کی لغزشوں کی نہیں، بلکہ انسان کی حماقتوں اور انسانیت کی رسوائیوں کی ایک مسلسل تاریخ ہے، اگر آپ مذاہب کی تاریخ دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ انسان نے ایسی ایسی ذلیل ہستیوں کے سامنے سر جھکا رکھا تھا کہ جن کو بعض اوقات وہ خود وجود میں لاتا تھا۔ اس حقیقت کو بھی اللہ نے یوں بیان کیا ہے:

"اَفَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بھلا تم اس کی پرستش کرتے ہو جن کو تم اپنے ہاتھوں سے بناتے ہو، اس سے بڑھ کر انسان کی حماقت کیا ہوسکتی ہے کہ انسان اپنے ہاتھ سے ایک چیز بناتا ہے اور پھر اس کے سامنے سر جھکاتا ہے، پھر اس کو اپنا خالق ومالک مان لیتا ہے، پہلے بھی اور آج بھی دنیا میں ہر جگہ اس کی مثالیں ہیں کہ انسان نے جس کو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ایمان نہیں عطا فرمایا، یا اس نے انبیاء علیہم السلام کے اس تحفہ کی قدر نہیں کی، اپنے جیسے انسانوں کے سامنے سر جھکایا، انسان نے آگ کے سامنے سر جھکایا۔ انسان نے پانی کے سامنے سر جھکایا، انسان نے درختوں کے سامنے سر جھکایا۔ اپنے ہاتھوں کے لگائے ہوئے درخت کے سامنے سر جھکایا، سینکڑوں، ہزاروں برس تک ایران کی سرزمین میں، جس کی شاعری کی ساری دنیا میں دھوم تھی جس کی ذہانت کا تمام دنیا میں سکہ بیٹھا ہوا تھا، جس نے نوشیرواں کو پیدا کیا، جس نے بڑے بڑے شاعروں کو پیدا کیا، اس سرزمین میں آگ کی پرستش ہوتی تھی، اور کسی ذہین انسان کے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آگ کی پرستش نہیں ہونی چاہئے، آگ کے پیدا کرنے والے کی پرستش ہونی چاہئے لیکن انسان جو اپنی تلوار کی دھاک تمام دنیا پر بٹھاتا تھا، جس نے ہزاروں آدمیوں کے چراغ گل کردیئے تھے، اور ہزاروں زندگی کے اس نے دیے بجھادیئے تھے، وہ ایک حقیر دیئے کے سامنے، ایک حقیر چراغ کے سامنے ہاتھ باندھ کے کھڑا ہوتا تھا، اور سر جھکا کر زمین پر گر جاتا تھا، یہ ہے انسان کی ذہانت اور یہ ہے انسان کی سمجھ۔

مخلوق پرستی

اگر آپ انسان کی ذہانت اور سمجھ کو کہتے ہیں تو انسان کی ذہانت اور سمجھ کے یہ نمونے ہم کو تاریخ کے اندر ملتے ہیں، دریا پوجے گئے، پہاڑ پوجے گئے، آگ پوجی گئی، پانی پوجا گیا، درختوں کی پرستش ہوئی، جانوروں کی پرستش ہوئی، وہ انسان جس نے دریاؤں کو مسخر کیا، جس نے پہاڑوں کو سرنگوں کیا، جس نے دریاؤں کے دھارے بدلے، جس نے پہاڑوں کو کاٹ کر کے نہریں نکالیں، جس نے ویرانوں کو آبادیوں میں تبدیل کیا، وہ انسان جس کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا". اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے اور ہم نے انہیں خشکی اور دریا دونوں میں سوار کیا، اور ہم نے ان کو نفیس چیزیں عطا کیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر بڑی فضیلت دی ہے۔

☆☆☆☆☆

رسول پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رحمۃ للعالمینی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ (ﷺ) کے اخلاق طیبہ، نبوت کی اعلیٰ خوبیوں کے ساتھ اتنی محبت، رحم دلی اور انسانی ہمدردی کے حامل تھے کہ اس سے زیادہ کسی انسان کے لیے ممکن نہیں، قرآن مجید میں فرمایا گیا: ﴿وإنك لعلى خلق عظيم﴾ (سورۃ القلم: ۴) کہ آپ (ﷺ) عظیم اخلاق کے حامل ہیں۔ اور فرمایا گیا: ﴿وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين﴾ (سورۃ الانبیاء: ۱۰۷) کہ ہم نے آپ (ﷺ) کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ آپ ایک طرف اپنے پروردگار کو راضی رکھنے کے لیے ہر طرح کی مشقت اور تکلیف اٹھاتے، اور اس کی مرضیات پر عمل کرتے دوسری طرف سارے انسانوں کے ساتھ ہمدردی ومحبت کا ایسا عمل اختیار کرتے کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔

آپ (ﷺ) عبادت گذار اور شب زندہ دار ایسے تھے کہ رات کی نماز یعنی تہجد میں اتنی اتنی دیر تک کھڑے رہتے کہ پیروں میں ورم آجاتا، روزے اتنے رکھتے کہ رمضان سے قبل شعبان کا مہینہ بھی اکثر وبیشتر روزوں میں گذر جاتا، مال کو اللہ کی راہ میں اتنا خرچ کرتے کہ اپنے اور اپنے گھر والوں کے کھانے کے لیے کئی کئی مہینوں تک کوئی ایسی چیز باقی نہ ہوتی جس کے لیے گھر والوں کو آگ جلانا پڑے، کبھی کھجور کے کچھ دانے حاصل ہوگئے، انہی سے کام چلالیا، اور کبھی بکری کا دودھ ہوا اسی کو پی کر مطمئن ہوگئے، کبھی کچھ بھی نہ ملا تو یوں بے کھائے پیئے ہی رہ گئے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ (ﷺ) مال ومتاع سے بالکل محروم تھے، ایسا نہیں تھا، بلکہ عموماً آپ (ﷺ) کی ضرورت کے مطابق مال حاصل ہوجاتا تھا، اور بعد میں مدینہ منورہ سے باہر فدک وغیرہ میں آپ (ﷺ) کی ملکیت میں کچھ باغ آگئے تھے جن کی پیداوار سے کچھ آمدنی آپ کو حاصل ہونے لگی تھی، لیکن آپ کی طرف سے دوسروں کی مدد، داد ودہش اور مہمانوں کی مہمان داری اور اصحاب صفہ (جو دین سیکھنے کے لئے آپ کے مکان کے سامنے مسجد کے ایک سرے پر مقیم رہتے تھے) ان کے کھانے کی ذمہ داری بھی آپ نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔

یہ اصحاب صفہ بعض بعض مرتبہ ۷۰ کی تعداد تک پہونچ گئے تھے، ان میں ایک صحابی حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) تھے، جنہوں نے وہاں رہ کر خوب حدیثیں سنیں، اور علم دین سیکھا، چنانچہ آج حدیث شریف کا خاصا حصہ ان ہی سے مروی ہے۔ ان ہی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور (ﷺ) کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا، اصحاب صفہ (رضی اللہ عنہم) بھی بھوکے تھے کہ آپ کے پاس کہیں سے دودھ کا ایک پیالہ ہدیہ میں آیا، آپ نے حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کو بلایا اور فرمایا کہ یہ دودھ آیا ہے، اصحاب صفہ کو بلالاؤ! حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ مجھے تعجب ہوا کہ اتنے سے دودھ میں کتنے آدمی کام چلاسکیں گے، یہ تو خود آپ (ﷺ) پی لیتے اور کچھ بچتا تو مجھ کو دیدیتے۔ بجائے اس کے متعدد آدمیوں کو بلاکر پلایا جائے تو کسی کا بھلا نہ ہوگا۔ لیکن کرتا کیا! حکم تھا، ان سب کو بلالایا۔ آپ (ﷺ) نے وہ پیالہ ایک کو دیا کہ پیو! پھر دوسرے کو دیا، پھر تیسرے کو دیا، اور وہ سب پیتے رہے، اور حیرت کی بات یہ کہ وہ چلتا رہا، حتی کہ بلائے ہوئے سب آدمی پورے ہوگئے۔ پھر آپ (ﷺ) نے پیالہ اپنے ہاتھوں میں لیا، حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا اور فرمایا: ابو ہریرہ! ہم رہ گئے ہیں اور تم، حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کا یوں بھی امتحان ہورہا تھا کہ ہر پینے والے پر سوچتے ہوں گے کہ دودھ اب ختم ہوا تب ختم ہوا، میری باری دیکھو آتی بھی ہے یا نہیں آتی، حضور (ﷺ) کے یہ کہنے پر کہ اب ہم رہ گئے ہیں اور تم، اور پیالہ آپ کے ہاتھ میں ہے اور دودھ تھوڑا ہے۔ ظاہر ہے کہ اب آپ ہی مستحق ہیں کہ اس کو پورا کردیں، اور ابو ہریرہ رہ جائیں۔ حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے آپ کے اس جملہ پر کہ اب ہم رہ گئے ہیں اور تم، کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: لو اب تم پیو، وہ کہتے ہیں کہ میں نے پیا اور دودھ پھر بھی بچ گیا، میری طبیعت سیر ہوگئی، آپ نے فرمایا اور پیو، میں نے اور پیا۔ آپ نے فرمایا: اور

پیو، میں نے کہا: یارسول اللہ (ﷺ)! اب طبیعت سیر ہوگئی ہے۔ پھر آپ نے پیالہ واپس لیا اور اس کو پورا کردیا۔

اس واقعہ کے اندر کئی باتیں آگئی ہیں، ایک تو کھانے پینے کی چیزوں کی کمی، اور جب کوئی چیز آجاتی تو آپ سب کو دیکر کھاتے پیتے، دوسرے یہ اخلاق کہ چیز کے کم ہونے کے باوجود سب کا خیال رکھنا اور دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینا، تیسرے اس بات کی تربیت دینا کہ دوسرے کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح کا مجاہدہ ہو، اور اپنے محروم رہ جانے کا خطرہ برداشت کیا جائے، چوتھے یہ کہ اگر اخلاص اور بے نفسی اور دوسروں کی ہمدردی کے جذبہ سے کیا جائے تو برکت ہوتی ہے

،اور کم چیز زیادہ آدمیوں کے کام آجاتی ہے۔ یہ برکت ہر وقت نہیں ہوتی، یہ اس وقت ہوتی ہے جب جذبہ بھی اعلیٰ ہو اور مسئلہ کا حل کوئی دوسرا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے اور وہ تھوڑی چیز کو زیادہ کے قائم مقام بنا دیتا ہے۔

ایسی برکت حضور (ﷺ) کے معاملے میں کئی مرتبہ ہوئی، لیکن ایسے موقعے بہت خاص خاص ہوتے تھے، عام طور پر عام حالات ہی پیش آتے تھے، ورنہ ہر مرتبہ اگر ایسی برکت ہوتی رہتی تو آپ (ﷺ) کو کبھی نہ فاقہ کرنا پڑتا اور نہ کبھی کوئی حاجت پوری ہونے میں دشواری ہوتی لیکن آپ (ﷺ) کو بارہا مال کی تنگی ہوتی تھی اور آپ اس کو خوشی خوشی برداشت کرتے تھے، حتیٰ کہ بعض بعض مرتبہ بھوک کی شدت کو دبانے کے لئے آپ کو پیٹ پر دو دو پتھر باندھنے پڑے جیسا کہ غزوۂ خندق کے موقع پر ہوا، پھر اسی غزوۂ خندق کے موقع پر ایسا واقعہ بھی پیش آیا جس میں برکت کا ظہور ہوا۔ بہر حال اخلاص و نیک نیتی اور ایثار کے جذبے کے پوری طرح پائے جانے کے ساتھ ایسی حالت پیش آگئی ہو جس میں زندگی کے قائم رہنے کو خطرہ پیش آسکتا تھا، کوئی دوسرا ظاہری حل نہ ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے تھوڑی چیز کو زیادہ چیز کے قائم مقام بنا دیا۔ تفصیل کی اس وقت گنجائش نہیں۔

بہر حال یہ بات قابل توجہ ہے کہ نبی اکرم (ﷺ) کے لیے جب کوئی ایسا موقع آتا کہ دوسرا بھی ضرورت مند ہو تو اس کو شریک کر لیتے، بلکہ اس کو ترجیح دیتے، اس ایثار اور سب کی فکر کرنے کے نتیجے میں آپ کے پاس ضرورت کی چیز کم ہو جانا قدرتی بات تھی، چنانچہ کئی کئی فاقوں کی نوبت آجاتی تھی، حالانکہ آپ کو اتنا مال ذاتی طور پر حاصل ہوتا تھا کہ روک روک کر خرچ کرتے تو آپ (ﷺ) اپنا کام اس کے ذریعہ بخوبی چلا سکتے تھے، لیکن آپ (ﷺ) کو اپنے ساتھیوں کی، اپنے پڑوسیوں کی، اپنے مہمانوں کی اتنی فکر اور ہمدردی ہوتی تھی کہ آپ (ﷺ) ان کی فکر، اپنی فکر کی طرح رکھتے تھے، چنانچہ آپ (ﷺ) نے ایک بار اعلان فرمایا کہ کوئی مسلمان انتقال کر جائے تو اس کا چھوڑا ہوا مال اس کے وارثوں کا ہے، اور جو وہ قرض چھوڑ گیا ہو تو اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے۔ بھلا یہ کون کر سکتا ہے؟، پھر ایک دو کے لیے نہیں، اپنے تمام ساتھیوں اور ماننے والوں کے لئے کہ فائدہ ہو تو تم لو، اور نقصان ہو تو اس کی تلافی میرے ذمہ ہے۔

آپ (ﷺ) نے اپنے ان اخلاق و محبت کی خصلتوں سے لوگوں کے دل جیت لئے تھے، جو بھی آپ (ﷺ) سے ایک مرتبہ مل لیتا تو آپ کا گرویدہ بلکہ فریفتہ ہو جاتا، وہ دیکھتا کہ آپ (ﷺ) کو دنیاوی فائدے کی کوئی فکر نہیں، آپ کو اپنی ذات کے لیے فائدہ اٹھانے سے کوئی دلچسپی نہیں، دوسروں کی ہمدردی اور دوسروں کی فکر صرف دنیاوی فائدے ہی کے لیے

> اسلام کی یہی وہ جامعیت ہے جس میں وہ تمام مذاہب کے درمیان منفرد ہے، بلکہ اس میں اپنی واقعی دنیاوی ضرورت کو اللہ کے حکم کے مطابق اور رضائے الٰہی کی نیت سے پورا کیا جائے تو اس طرح ثواب ملتا ہے کہ جیسا کسی مذہبی عمل پر یا عبادت پر ملتا ہے۔ یہ وہ جامعیت ہے کہ جس کو ہمارے حضور (ﷺ) لیکر آئے تھے، اور ساری انسانیت کو اس کا پیغام دیا، اپنی دنیاوی ضرورتوں کو جائز طریقے سے پورا کرنا، دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور سلوک و محبت کے ساتھ پیش آنا اور اپنے سارے اعمال کو خواہ وہ دنیاوی ہی ہوں، اپنے پروردگار کی مرضی کے مطابق انجام دینا یہ آپ کی سیرت و اخلاق اور حیات طیبہ کی وہ میراث ہے جو آپ نے اپنے تمام امتیوں کے لیے تاحیات چھوڑی ہے، جس کو اپنانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اور آپ نے اخلاق و محبت اور انسانیت نوازی کا اسوہ اور نمونہ اپنی امت کے لیے چھوڑا، اس پر آپ کے امتیوں میں سے ایک خاصی تعداد نے عمل بھی کیا، اور یہ سلسلہ برابر قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لائے ہوئے دین کی حفاظت کا وعدہ ہے، اس کی بنا پر اسوۂ نبوی کی پیروی کے واقعات بھی برابر پیش آتے رہیں گے۔ یہی شریعت محمدی کی شان ہے جس میں دوسروں کے مقابلے میں وہ ممتاز ہے۔

نہ تھی، بلکہ زیادہ فکر آخرت کے فائدہ کی تھی، آپ نے فرمایا کہ میری مثال اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے آگ جل رہی ہو اور اس میں لوگ گر رہے ہوں، میں کمر پکڑ پکڑ کر اس سے بچا رہا ہوں، آپ (ﷺ) کی یہ فکر اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا: ﴿لعلك باخع نفسك أن لا يكونوا مؤمنين﴾ (سورہ الشعراء:۳) کہ آپ شاید اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے کہ یہ لوگ ایمان والے کیوں نہیں بن جاتے۔ اور واقعی آپ کڑھتے رہتے تھے کہ لوگ گمراہ ہیں، ان کا آخرت میں کیا ہوگا ؟ان کو گمراہی سے کیسے نکالا جائے؟ اس کے لیے آپ نہ زور زبردستی کرتے تھے، نہ ڈانٹتے، نہ سختی کرتے، بلکہ محبت سے اخلاق کے ساتھ ان سے مخاطب ہوتے، اور نرمی کے ساتھ سمجھاتے تھے۔

ایک طرف آپ (ﷺ) کی انسانیت نوازیاں ،ہمدردیاں، دوسری طرف آپ کی طرف سے اپنی اور دوسروں کی عاقبت کی فکر اور اس کی فکر میں کڑھنا ہی ایسا حال تھا کہ جو بھی اس وقت قریب سے دیکھ لیتا، بالکل بدل جاتا، اور آپ کا ہو جاتا، بعض وقت کوئی شخص کفار قریش کے بہکانے پر آپ کو قتل کرنے کے لیے آتا اور آپ کا سامنا ہوتے ہی، آپ کے میٹھے بول سنتے ہی ڈھیلا پڑ جاتا تھا، ارادہ ختم ہو جاتا، اور بات چیت ہوتی ،گرویدہ ہو جاتا، اور آپ پر فدا ہو کر لوٹتا۔

لوگوں کے فائدے اور آخرت میں نجات کی فکر آپ کے دل میں اتنی زیادہ تھی کہ آپ اس کی فکر میں بے چین ہو جاتے، اور جو فکر و ہمدردی ممکن ہوتی اس کے کرنے والے بن جاتے، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا: ﴿لقد جاءكم رسول من أنفسكم ، عزيز عليه ما عنتم ، حريص عليكم ، بالمؤمنين رؤوف رحيم﴾ (سورہ التوبہ:۱۲۸) کہ تمہارے پاس تم میں کا ہی ایک رسول آیا، اس کو تمہاری تکلیف بہت شاق ہوتی ہے، وہ تمہاری بہبود فکر کرنے والا ہے، اور ایمان والوں کے لیے تو بہت ہی ہمدردی اور رحم کا جذبہ رکھنے والا ہے۔ اور فرمایا: ﴿لعلك باخع نفسك أن لا يكونوا مؤمنين﴾ (سورہ الشعراء:۳) کہ شاید آپ اپنے آپ کو بہت تکلیف میں ڈال دیں گے کہ یہ لوگ کیوں ایمان والے نہیں بنتے۔

بہر حال آنحضرت (ﷺ) میں انسانیت نوازی، اخلاق و محبت کی خصوصیات اس قدر بھری ہوئی اور غیر معمولی تھیں کہ جس کو واسطہ پڑتا متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا، اسی کے ساتھ ساتھ آخرت میں سرخ رو ہونے کے لیے آپ کی جو توجہ دہانی اور نصیحت و دعوت تھی کہ آپ کڑھتے رہتے تھے کہ کس طرح لوگوں کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنی آخرت کو ٹھیک کرنے، اور آخرت میں راحت کی زندگی پانے کے لیے جو کچھ بھی کر سکتے ہیں کریں، ایمان لائیں اور عمل صالح کریں۔ ایک طرف آپ مجسم ہمدردی اور محبت تھے، دوسری طرف انسانی قدروں کے اعلیٰ درجہ کے محافظ اور داعی تھے، تیسری طرف آپ اپنی زندگی کو، اپنے مال و متاع کو رضائے الٰہی کے حصول اور دنیا و آخرت کی فلاح کا طریقہ بتانے اور خود اس پر عمل کرنے پر لگائے ہوئے تھے۔

آپ (ﷺ) کی طرف سے نہایت ہمدردی کی مثال یہ ہے کہ جب شب معراج میں نماز فرض کی گئی اور اس کے اوقات پچاس رکھے گئے تو آپ نے بار بار رب العالمین سے التجا کی کہ اوقات کی تعداد میں کمی فرما دی جائے، بالآخر وہ پچاس کے بجائے پانچ وقت کر دی گئیں۔ یہ بھی آپ کی بیحد ہمدردی کی بات ہے کہ آپ نے اللہ کا یہ حکم سنایا کہ "الدین یسر" کہ مذہب پر عمل کرنا آسان رکھا گیا ہے، اور حکم دیا گیا کہ اعتدال سے کام لو۔ اپنے دنیاوی ضروری تقاضے پوری کرو، مذہب پر عمل اور دنیاوی زندگی ایک دوسرے سے ٹکراتی نہیں، دنیا کی واقعی ضرورت کو بھی پورا کرو، اور دین کے احکام پر بھی پورا عمل کرو۔

اسلام کی یہی وہ جامعیت ہے جس میں وہ تمام مذاہب کے درمیان منفرد ہے، بلکہ اس میں اپنی واقعی دنیاوی ضرورت کو اللہ کے حکم کے مطابق اور رضائے الٰہی کی نیت سے پورا کیا جائے تو اس طرح ثواب ملتا ہے کہ جیسا کسی مذہبی عمل پر یا عبادت پر ملتا ہے۔ یہ وہ جامعیت ہے کہ جس کو ہمارے حضور (ﷺ) لیکر آئے تھے، اور ساری انسانیت کو اس کا پیغام دیا، اپنی دنیاوی ضرورتوں کو جائز طریقے سے پورا کرنا، دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور سلوک و محبت کے ساتھ پیش آنا اور اپنے سارے اعمال کو خواہ وہ دنیاوی ہی ہوں، اپنے پروردگار کی مرضی کے مطابق انجام دینا یہ آپ کی سیرت و اخلاق اور حیات طیبہ کی وہ میراث ہے جو آپ نے اپنے تمام امتیوں کے لیے تاحیات چھوڑی ہے، جس کو اپنانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اور آپ نے اخلاق و محبت اور انسانیت نوازی کا اسوہ اور نمونہ اپنی امت کے لیے چھوڑا، اس پر آپ کے امتیوں میں سے ایک خاصی تعداد نے عمل بھی کیا، اور یہ سلسلہ برابر قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لائے ہوئے دین کی حفاظت کا وعدہ ہے، اس کی بنا پر اسوۂ نبوی کی پیروی کے واقعات بھی برابر پیش آتے رہیں گے۔ یہی شریعت محمدی کی شان ہے جس میں دوسروں کے مقابلے میں وہ ممتاز ہے۔

☆☆☆☆☆

چشم کشا

تقویٰ کی کسوٹی

مولانا بلال عبدالحیٔ حسنی ندوی

ایمان کے ساتھ قرآن مجید میں تقویٰ کا ذکر بار بار ملتا ہے، تقویٰ احتیاط کا نام ہے، زندگی اسی دھیان کے ساتھ گزرے کہ دامن آلودہ نہ ہو، مزاج میں احتیاط داخل ہوجائے، قدم بڑھے تو اس خیال کے ساتھ کہ یہ اقدام شریعت کے خلاف تو نہیں ہے۔

تقویٰ درحقیقت دل کا فعل ہے جس کا اظہار انسان کی عملی زندگی میں ہوتا ہے، زندگی کے مختلف مراحل میں اس کا عکس جمیل نظر آتا ہے، دل اگر تقویٰ کے رنگ میں رنگ چکا ہے تو زندگی کے ہر موڑ پر اس کی تصویر سامنے آجاتی ہے، قرآن مجید میں مختلف مواقع پر تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے، ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿یاایھاالذین آمنوا اتقوا اللّٰہ حق تقاتہ﴾ اے ایمان والو اللہ کا تقویٰ اس طرح اختیار کرو جیسا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے۔

پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿فاتقوا اللّٰہ ما استطعتم﴾ پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا تم استطاعت رکھتے ہو۔

دنیا وآخرت میں اس کے بہترین نتائج کا ذکر بھی قرآن مجید میں جابجا ملتا ہے، دو تین جگہ یہاں تک فرمادیا گیا کہ: ''اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنے والوں کے ساتھ ہے، اس کی نصرت، عنایت، محبت، عطا وکرم سب اس کے لیے ہے''۔ ارشاد ہوتا ہے

﴿ان اللّٰہ مع الذین اتقوا واعلموا ان اللّٰہ مع المتقین﴾ بیشک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا، جان لو کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کے ساتھ ہے۔

قرآن مجید میں تقویٰ اختیار کرنے کا نسخہ بھی بتایا گیا ہے:

﴿یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللّٰہ و کونوا مع الصادقین﴾ اے ایمان والو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور سچے لوگوں کی صحبت میں رہو۔

صحبت صادقین تقویٰ اختیار کرنے اور دل کو اس کے رنگ میں رنگنے کا سب سے آسان اور زود اثر نسخہ ہے، اس کے بغیر تقویٰ کا رنگ پختگی کے ساتھ نہیں چڑھ سکتا، صادقین اللہ کے وہ خاص بندے ہیں جن کے قول وعمل اور ظاہر وباطن میں کوئی تضاد نہیں، ان کے اعمال کی شفافیت ان کے دل کی صفائی کا مظہر ہے۔ ان کا عمل ان کے قول کی تفسیر ہے، اور قول دل کی ترجمانی کرتا ہے، ایمان ان کے دلوں میں اس طرح اتر چکا ہوتا ہے کہ ان کے روئیں روئیں سے ایمان کا نور جھلکتا ہے، صادقین کا یہ تسلسل قرن اول سے قائم ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

عبادت بھی حصول تقویٰ کا راستہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿یاایھاالناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون﴾ اے لوگو اپنے رب کی بندگی کرو جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے ہوئے ہیں تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

ان عبادتوں میں بھی تقویٰ کا مزاج بنانے میں روزہ کو خاص اہمیت حاصل ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿یاایھاالذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون﴾ اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کئے گئے جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کئے گئے جو تم سے پہلے گزرے ہیں، تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

حصول تقویٰ کی علامت کیا ہے؟ آدمی متقی کب ہوتا ہے قرآن مجید ہی میں اس کی بھی وضاحت موجود ہے:

﴿ومن یعظم شعائر اللّٰہ فانھا من تقوی القلوب﴾ جو شعائر اللہ کی عظمت کرے تو یہ دل کے تقویٰ کی بات ہے۔

شعائر اللہ میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کی نسبت اللہ کی طرف ہو، احکام الٰہی بھی اس میں داخل ہیں، جب کسی حکم کی نسبت اللہ کی طرف کی جائے تو گردن عظمت سے جھک جائے، ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے احکامات بھی اسی میں شامل ہیں، آپ جو کچھ بھی فرماتے ہیں وہ اللہ ہی کا فرمایا ہوا ہے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

ان تمام شعائر اللہ میں جن میں بیت اللہ بھی شامل ہے سب سے بلند مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے آپ ﷺ محبت رب کا مظہر اتم ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی عظمت کو تقویٰ کی کسوٹی قرار دیا گیا ہے، سورۃ الحجرات کی تیسری آیت میں پوری صراحت کے ساتھ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ان الذین یغضون اصواتھم عندرسول اللّٰہ اولئک الذین امتحن اللّٰہ قلوبھم للتقویٰ﴾ جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ (ﷺ) کے پاس پست رکھتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے۔

کل مخلوقات میں عظمت ومحبت کا سب سے بڑا مظہر آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس ہو تو یہ تقویٰ کی سب سے بڑی نشانی ہے، لیکن جس طرح تقویٰ دل کا فعل ہے اسی طرح یہ عظمت بھی دل کی گہرائیوں کے ساتھ ہو، اس کا یقینی اور لازمی نتیجہ یہی ہوگا کہ ایمان والا قدم قدم پر چونکے گا، کوئی کام بھی آپ ﷺ کی شان عالی کے خلاف نہ ہو، ضمیر کا احساس جاگ جائے، طریقۂ رسول ﷺ اختیار کرنے کی شدید رغبت اور اس کی مخالفت سے شدید نفرت کا جذبہ پیدا ہوجائے۔

آنحضرت ﷺ کی عظمت ومحبت جتنی بڑھتی جاتی ہے تقویٰ کا معیار اتنا ہی بلند ہوتا جاتا ہے، لیکن یہ دھیان ہٹنے نہ پائے کہ یہ عظمت اسی لیے ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے محبوب ترین بندہ ہیں، عبدیت کاملہ آپ ہی کو حاصل ہے اور یہی مقام معراج ہے۔

﴿سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ﴾ وہ ذات پاک ہے جو راتوں رات لے گئی اپنے بندہ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف۔

عظمت وتقدیس میں اگر حدود سے تجاوز ہوگیا اور عبد کو معبود والہ کا درجہ دے دیا گیا، تو یہ درحقیقت شان رسالت میں توہین کے مترادف ہے، کسی کی تعریف اگر حد سے بڑھادی جائے تو وہ تعریف نہیں رہ جاتی بلکہ تنقیص بن جاتی ہے۔

سورۃ الحجرات کی اس تیسری آیت میں ادب وتعظیم کی جو مثال پیش کی گئی ہے وہ بہت عام فہم مثال ہے، اس کے پیش کرنے کا اصل مقصد آپ کی عظمت کی طرف امت کو متوجہ کرنا ہے، یہ عظمت اطاعت کا زینہ ہے اور اطاعت تقویٰ کی نشانی ہے۔

جو لوگ بھی اپنے دلوں کو رسالت کی عظمت سے منور کرلیتے ہیں اور تقویٰ ان کا مزاج بن جاتا ہے ان کے لیے ارشاد ہوتا ہے:

﴿لھم مغفرۃ واجر عظیم﴾ ان کے لیے مغفرت (کاملہ) اور اجر عظیم ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ جب سورہ حجرات کی دوسری آیت نازل ہوئی جس میں نبی کی آواز سے اپنی آواز کو پست رکھنے کا حکم دیا گیا ہے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کا حال یہ ہوگیا کہ وہ نبی ﷺ سے سرگوشی کے انداز میں گفتگو فرماتے تھے کہ کہیں آواز تیز نہ ہوجائے اس کے بعد ہی یہ تیسری آیت نازل ہوئی۔

اس میں حضرت ابوبکرؓ کے مقام صدیقیت کی طرف بھی اشارہ ہے جو کمال تقویٰ کا مقام ہے، اور اس میں امت کو اس مقام تک پہونچنے کا راستہ بھی دے دیا گیا ہے، جو صدیقین کا مقام ہے، لیکن ان میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق اکبر ہیں اور صدیقین میں بھی صدیقیت کے اس بلند ترین مرتبہ کو انہیں کے ساتھ خاص کردیا گیا ہے۔

اسی سورۃ کی چوتھی اور پانچویں آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس کی بنا پر سورۃ حجرات کی یہ ابتدائی آیات نازل ہوئی اور ایک طرح سے یہ تیسری آیت کا تتمہ بھی ہے، وہاں پوری وضاحت کے ساتھ یہ بات کہہ دی گئی تھی کہ تقویٰ کی کسوٹی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ ہر طرح کا احترام اور ادب وتعظیم ملحوظ رکھی جائے یہاں تک کہ ان کی آواز پر اپنی آواز کو پست رکھا جائے، اس آیت میں اس کے خلاف کرنے پر کیا نقصان ہے اس کی وضاحت کی جارہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لایعقلون ولو انھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیراً لھم واللہ غفور رحیم﴾ بیشک وہ لوگ جو حجروں کے باہر سے آپ کو آواز دیتے ہیں ان میں اکثر سمجھ نہیں رکھتے، اگر وہ صبر کرلیتے یہاں تک کہ آپ خود نکل کر ان کے پاس آجاتے تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا، اور اللہ تو بہت مغفرت کرنے والا اور بہت مہربان ہے۔

اس آیت کے شان نزول میں واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بنوتمیم کے کچھ لوگ ایک ضرورت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ وقت آپ کے قیلولے کا تھا، آپ ﷺ حجرہ شریفہ میں آرام فرمارہے تھے، وہ لوگ جاہلی رواج کے مطابق آتے ہی باہر سے آپ کو پکارنے لگے، زمانہ جاہلیت کا رواج یہ تھا کہ جب شعراء وبلغاء کا کوئی وفد کسی بادشاہ یا امیر کے پاس جاتا تو وہ قریب پہونچ کر باہر ہی سے آواز دیتا کہ ہم اشراف عرب ہیں، اصحاب فصاحت وبلاغت ہیں، ہم تعریف کردیں تو باعث شرف ہے اور اگر مذمت کردیں تو باعث ذلت ہے۔

بنوتمیم کے اس وفد نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا، ان میں اکثریت تو ان لوگوں کی تھی جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، لیکن ان میں چند مسلمان بھی تھے، چونکہ یہ طریقہ شان رسالت کے منافی تھا، اس لیے اس پر اللہ کی طرف سے سرزنش کی گئی، اور قیامت تک کے لیے یہ پیغام دے دیا گیا کہ شان رسالت میں ادنیٰ بے ادبی بلکہ کوئی بھی ایسا عمل جس میں بے ادبی کا شائبہ بھی ہو رب العالمین کو سخت ناپسند ہے، ادنی بے ادبی بھی گستاخی کا پیش خیمہ ہے اور شان رسالت میں گستاخی کفر صریح ہے جو کہ بڑے سے بڑے اعمال کو بے کار کردینے کے لیے کافی ہے اسی لیے اوپر "ان تحبط اعمالکم" کہا جاچکا ہے کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ چلے جائیں۔

''الحجرات'' حجرۃ کی جمع ہے، اس کے معنی کمرہ کے آتے ہیں، آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کے حجرے اس انداز کے تھے کہ ستون کھجور کے تنے کے تھے اور چھپر کھجور کی چھال سے تیار کرکے ڈال دیا گیا تھا اور بجائے دروازوں کے کمبل کے پردے پڑے ہوئے تھے، یہ اس دور کی بات ہے جب دنیا کے خزانے حضور ﷺ کے قدموں میں نچھاور ہورہے تھے (بقیہ صفحہ: ۲۷ پر)

آہ! برادر عزیز مولوی ڈاکٹر سید محمد اجتباء ندویؒ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

مولوی ڈاکٹر سید محمد اجتباء حسینی ندوی نے اپنی علالت کے تسلسل کے نتیجہ میں ۲۰؍جون کی دوپہر میں اس دار فانی سے دار باقی کو رحلت کی ﴿إنا للہ و إنا إلیہ راجعون﴾، مولوی اجتباء صاحب بستی کے ایک دینی، علمی اہمیت رکھنے والے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اور وہ خاص طور پر تحصیل علم اور علمی مشغولیت کے راستہ میں مختلف منزلوں اور مختلف مرحلوں سے گزرے تھے۔

انہوں نے دار العلوم ندوۃ العلماء میں دینی تعلیم کی تکمیل کی، پھر دمشق یونیورسٹی شام کے کلیۃ الشریعہ سے بھی تعلیمی استفادہ کیا اور وہاں سے فراغت حاصل کی، اس طریقہ سے ان کو ہندوستان میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ سے استفادہ کے ساتھ ساتھ شام کے علماء سے بھی استفادہ کا موقع ملا، اس کے لئے انہوں نے وہاں پانچ سال گزارے، وہاں سے ہندوستان مراجعت پر دار العلوم ندوۃ العلماء میں استاد مقرر ہوئے، اسی کے ساتھ ساتھ یونیورسٹی کی تعلیم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلم یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، اور جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے عربی شعبہ میں استاد مقرر ہوئے، اسی دوران ان کو اندرون ملک اور بیرون ملک کی یونیورسٹیوں میں تعلیم دینے کے مختلف مواقع ملے، اور ہندوستان اور سعودی عرب دونوں جگہ ان کو اشتغال علمی کا موقع حاصل ہوا، اس طرح علم کے متنوع ماحول میں رہنے سے جو وسیع تجربات ہوتے ہیں وہ ان کو حاصل ہوئے۔

آخر میں وہ رٹائرمنٹ کی عمر کے قریب الہ آباد یونیورسٹی میں صدر شعبۂ عربی کے عہدہ سے رٹائر ہوئے، اور دہلی اوکھلا میں جامعہ ملیہ کے قریب سکونت اختیار کرلی، اور آزادانہ علمی و دینی کاموں میں مشغول ہوئے۔

ان کے خاندان کے مورث اور جد اکبر مولانا سید جعفر علی نقوی بستوی تھے، جو امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، اور ان کے مشورہ سے انہوں نے ہندوستان میں تعلیمی و دعوتی کام کی ذمہ داری سنبھالی، اور مشرقی یوپی اور بہار میں درجنوں دینی مدارس قائم کئے، اور ان کی ان کوششوں سے علم دین کی اشاعت کا بڑا کام ہوا۔ ان کا علمی و دینی جذبہ ان کے خاندان میں بحیثیت وراثت کے منتقل ہوا، اور مولوی اجتباء صاحب کے بڑے بھائی مولانا سید محمد مرتضی نقوی مظاہری ایک بڑے فاضل اور کارگزار شخصیت ہوئے، اور انہوں نے اپنے خاندانی مورث وجد مولانا جعفر علی صاحب کی حضرت سید احمد شہیدؒ سے محبت و تعلق کی نسبت سے مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ سے قربت اور محبت کا تعلق قائم کیا، تعلیمی مرحلہ سے فراغت کے بعد ہی سے انہوں نے پوری زندگی ان کے قریب رہکر گزاری۔ وہ دار العلوم کے استاد بھی رہے، اور اس کے کتب خانہ کے مہتمم بھی رہے، اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے تمام دینی و سماجی کاموں میں معاونت بھی کرتے رہے اور اسی تعلق کے ساتھ ۷۲ سال کی عمر پوری کی۔

انہوں نے ڈاکٹر سید محمد اجتباء ندوی کے بڑے بھائی ہونے کے تعلق سے ان کی تعلیم و تربیت کی پوری رہنمائی کی، والد کے انتقال کے بعد ان کے لئے والد جیسی سرپرستی کرتے رہے، مولوی اجتباء صاحب کی زندگی پر ان کی تربیت کے گہرے اثرات ہوئے، اور اس طرح حضرت سید احمد شہیدؒ کی نسبت سے ان کے اس پورے خاندان کو حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی اور ان کے خانوادہ سے گہرا ربط رہا، اس تعلق سے بھی مولوی اجتباء مرحوم حضرت مولانا سے قربت رکھتے تھے، اور ان کے مشوروں پر چلنے کو اپنے لئے مفید سمجھتے تھے۔ اور اسی نسبت سے ندوہ سے بھی گہرا تعلق رکھتے تھے، اور شروع میں استاد کی حیثیت سے یہاں رہے، اور بعد میں یہاں سے دوسری جگہوں میں منتقل ہونے پر بھی ندوۃ العلماء سے علمی ربط رکھتے رہے، اور اخیر میں ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ کے رکن بھی منتخب ہوئے۔

انہوں نے مختلف علمی اداروں سے واسطہ پڑنے پر اور تعلیمی و علمی کاموں سے تعلق رکھنے کی بناء پر اہم موضوعات پر تصنیفی کام بھی انجام دیے،

اور ادب عربی کے تعلق سے بھی ذمہ داریاں انجام دیں۔ رابطہ ادب اسلامی عالمی کے قیام کے تعلق سے جو مشورے ہوئے ان میں وہ عرب ادباء کے ساتھ شریک رہے، اور رابطہ ادب اسلامی کے قیام کے بعد اس کے وقیع رکن اور بعد میں پورے ہندوستانی حلقہ کے صدر بھی مقرر ہوئے۔ ان سے رابطہ ادب اسلامی کو تقویت پہونچی، اس طرح ان کے انتقال سے کئی حیثیتوں سے خسارہ محسوس کیا جارہا ہے۔ مذکورہ مختلف وجوہ سے میرا بھی ان سے قریبی ربط رہا، یہ ربط ندوۃ العلماء میں ان کی ابتداء تعلیم سے اختتام تعلیم تک رہا جو بعد میں آخر تک قائم رہا، اس کی بناء پر میں نے ان کے حادثۂ وفات کو اپنے قریبی اور عزیز شخص کا حادثہ محسوس کیا۔

انہوں نے مجھ سے اپنی طالب علمانہ زندگی سے اپنی بعد کی زندگی تک اپنے بڑے بھائی کی حیثیت سے تعلق رکھا، ان کے بڑے بھائی مولانا سید محمد مرتضی صاحب نقوی مظاہری مرحوم (جو کہ عزیزان مولوی عبید اللہ اسعدی اور مولوی سعید حسن اور مولوی عمیر وغیرہم کے والد تھے) ہمارے بڑے بھائی مولانا محمد ثانی حسنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص اور عزیز ترین دوستوں میں تھے، ان کے ان سے چھوٹے اور مولوی اجتباء صاحب سے بڑے بھائی مولوی سید محمد عبد اللہ صاحب میرے ہم عمر اور دوست ہیں، ان دونوں کے تعلق نے بھی ان کے تعلق کو مجھ سے بڑھایا۔

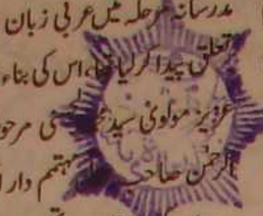

عزیزی مولوی سید محمد اجتباء ندوی نے دار العلوم ندوۃ العلماء میں اپنے طالب علمانہ پھر مدرسانہ مرحلہ میں عربی زبان و ادب سے جو گہرا تعلق پیدا کرلیا تھا، اس کی بناء پر ان کے اور برادر عزیز مولوی سید [illegible] مرحوم نے مولانا سعید الرحمن صاحب [illegible] مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء سے ان کی رفاقت رہی تھی، جب لکھنؤ سے البعث الاسلامی جاری ہوا تو اس کام میں مولوی اجتباء ندوی بھی عربی سے دلچسپی رکھنے والے اس گروپ میں شریک ہوئے، ان تینوں کے درمیان، اور بعد میں موجودہ مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء، اور عزیزی مولوی محمد واضح رشید ندوی کے ساتھ فکری ہم آہنگی، دعوتی فکر اور مسلم مسائل میں ان کا اشتراک رہا، اور مولوی محمد واضح رشید کے دہلی کے قیام میں خاص طور پر ان میں اور مولوی اجتباء صاحب کے درمیان ربط زیادہ بڑھا جو تاحال قائم رہا۔

عزیزی مولوی محمد اجتباء ندوی کو ایک خصوصیت یہ حاصل رہی کہ انہوں نے عالم اسلام کی اہم اور چوٹی کی شخصیات سے استفادہ کیا، جن میں وہاں کی علمی و دعوتی شخصیات کے سربراہ شیخ مصطفیٰ سباعی اور ان کے دیگر رفقاء تھے۔ ان کے اس متنوع تعلقات کی بناء پر ان کو یہ خصوصیت بھی حاصل رہی کہ وہ بین الاقوامی پروگراموں میں مدعو کئے جاتے، اور وہاں وقیع طریقہ سے شرکت کرتے، ان پروگراموں میں شرکت کے لئے سفر کرتے، دمشق یونیورسٹی، جامعہ ازہر، مراکش، اردن اور کویت کی یونیورسٹیوں میں ان کے محاضرات ہوئے، ان کا آخری اہم علمی سفر کویت یونیورسٹی کی دعوت پر دسمبر ۲۰۰۷ء میں ہوا جہاں انہوں نے "ہندوستان اور عرب کے ادبی روابط" کے عنوان پر کلیدی خطبہ انٹرنیشنل سیمینار میں پیش کیا، جو بہت مقبول ہوا۔

ہندوستانی حکومت نے عربی زبان و ادب میں ان کی نمایاں خدمات کی وجہ سے صدر جمہوریہ اوارڈ سے بھی نوازا تھا۔

اللہ نے بہت سی خصوصیات اور اوصاف و کمالات سے انہیں نوازا تھا، وہ اپنی صلاحیتوں سے لوگوں کو متأثر کرتے اور لوگ ان کے قدرداں تھے، متعدد اہم کتابیں بھی ان کے قلم سے نکلیں، فکر اسلامی کے موضوع پر اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ کا جائزہ "تاریخ فکر اسلامی" کے نام سے پیش کیا۔ اس کے علاوہ نواب صدیق حسن خاں قنوجی کی شخصیت و کارناموں پر اور مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ پر عربی میں کتابیں لکھیں، اور عورت اسلام کی نظر میں، حقوق انسانی اسلامی شریعت میں، اور نقوش تابندہ کے عنوانات سے مختلف الموضوعات کتابیں تصنیف کیں، جو ان کے لئے صدقۂ جاریہ ہیں۔

لگ بھگ ۷۲ سال کی عمر میں جمعہ کے دن ۲۰؍جون ۲۰۰۸ء کو نئی دہلی میں انتقال کیا، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ان کی نیک کوششوں کو قبول فرمائے اور زیادہ سے زیادہ اجر عطا فرمائے، اور ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے، اور امت اسلامیہ کی دینی اور علمی ضرورتوں میں ان کا بدل عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

تاریخ ساز شخصیت

مولانا ڈاکٹر سید سلمان ندوی

سید الملت علامہ سید سلیمان ندوی کے فرزند ارجمند جناب ڈاکٹر سید سلمان ندوی (صدر شعبہ اسلامیات ڈربن یونیورسٹی) کا عرصہ سے معمول ہے کہ وہ سال دو سال بعد ہندوستان تشریف لاتے ہیں تو مادر علمی میں بھی تھوڑا سا وقت گزارتے ہیں، یہاں کے اساتذہ اور طلباء سے بھی ملاقاتیں کرتے ہیں، طلبائے عزیز کے ساتھ اسی محبت اور تعلق سے ملتے ہیں جو ان کے والد نامدار کی خصوصیت تھی، دارالعلوم کے قیام کے دوران ان کے محاضرات بھی ہوتے ہیں، اس سال بھی جب ڈاکٹر صاحب تشریف لائے تو دارالعلوم کی مسجد میں ان کا محاضرہ ہوا، پھر رائے بریلی میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی دعوت وفکر کے موضوع پر منعقد علمی مذاکرہ میں بھی انہوں نے شرکت کی اور مفکر اسلام کی تاریخ ساز شخصیت پر ایک مؤثر اور فکر انگیز محاضرہ دیا، خطاب کا ایک ایک لفظ ایسا ناپا تلا تھا کہ کہیں کسی لفظ کے حذف وترمیم کی ضرورت پیش نہیں آئی، ہم سید احمد شہید اکیڈمی کے خبر نامہ کے شکریہ کے ساتھ افادہ عام کی غرض سے ڈاکٹر صاحب کی یہ تقریر تعمیر حیات کے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ (ایڈیٹر)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ھل جزاء الاحسان الا الاحسان

اس سیمینار میں میری شرکت نہ صرف میرے لیے باعث سعادت ہے بلکہ میں اسے سرمایۂ نجات بھی سمجھتا ہوں، مجھ سے زیادہ اہل حضرات یہاں موجود ہیں جو حضرت مولانا علی میاںؒ کے علم وفکر اور دعوت کا مجھ سے بہتر اظہار کر سکتے ہیں، میں چند ایسے تأثرات پیش کروں گا جن کا تعلق اپنی ذات سے ہے اور اس سے ان کی زندگی کے وہ گوشے منور ہوں گے جس کی نقل آپ کو ہم کو اور ہمارے بعد آنے والوں کو کرنی چاہئے، اور اس سیمینار کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ مولانا کے نام پر یہ مرکز قائم کیا گیا، اور جیسا کہ قرآن کی ابھی آیت میں نے پڑھی کہ احسان شناسی بھی رحمت ہے، قرآن کی اس آیت میں کہا گیا ہے کہ نیکی کا بدلہ نیکی کے علاوہ کیا کچھ اور بھی ہوسکتا ہے؟ حضرت مولانا علی میاںؒ بھی ایک نعمت تھے، اور ایک ایسی نعمت کہ جس کی احسان شناسی کا فرض ہم پر عائد ہوتا ہے اور اگر احسان شناسی نہ کی جائے تو اس نعمت کا کفران ہے، سیمینار میں ان کے بارے میں جو مقالات اور خیالات پیش کئے جائیں گے وہ اس احسان شناسی کا حصہ ہوگا۔

ہندوستان کی اس سرزمین کے جس ٹکڑے پر یہ سیمینار منعقد کیا جارہا ہے، وہ خود اس کی کامیابی کی دلیل ہے کہ یہ ٹکڑا جو بقعۂ نور ہے، ایمان کی حرارات اور ایمان کی دعوت سے مملوء ہے، اس لیے یہاں ایسی ایمان پرور اور حیات پرور فضا میں اس سیمینار کا قائم کرنا خود حضرت مولانا کی روح کو ثواب پہنچانا ہے، حضرت مولانا کی اتنی جہات تھیں کہ ایسی مختلف الجہات شخصیت کی جہات کا کسی ایک نشست میں احاطہ کر لینا بہت مشکل ہے، جو حضرات ان سے وابستہ رہے ہوں بلکہ اس سے بڑھ کر ان کے قریب تر رہے ہوں وہ ان کی خلوت وجلوت کے مظاہر سے متأثر ہوتے تھے اور اس کا تأثر وہ اپنی حیات میں بھی پاتے تھے، حضرت مولانا کی زندگی کا مطالعہ کرنے والے لوگ جانتے ہیں کہ زندگی کا آغاز کہاں سے ہوا اور اختتام کہاں پر ہوا، آپ کے خانوادہ سے میرا تعلق اور عقیدت تو بچپن ہی سے گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، میں جس زمانہ میں ندوہ میں پڑھتا تھا اس وقت حضرت مولانا سے ملاقات ہوتی تھی، مگر تعلقات میں جو محبت اور عقیدت بڑھتی گئی وہ کچھ ہوش آنے کے بعد، اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پورے خانوادہ پر تھی، میں نہیں سمجھتا کہ اب ایسے حضرات ہوں گے اور ہوں گے تو بہت کم ہوں گے، جنہوں نے حضرت مولانا علی میاںؒ کے برادر بزرگ حضرت ڈاکٹر عبدالعلی صاحبؒ کو دیکھا ہو، اور ان کا چہرہ، ان کی سیرت، ان کا اٹھنا بیٹھنا، ان کی گفتگو، فرشتہ سیرت، فرشتہ خصلت، فرشتہ صورت، نور ٹپکتا ہوا، ان کو دیکھ کر خیال آتا تھا کہ شاید صحابہ ایسے ہی ہوتے ہوں گے، نہایت کم گو، اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان سے کوئی گناہ سرزد ہو نہیں سکتا، چہرہ پر معصومیت، اس

خانوادہ میں حضرت مولانا علی میاںؒ کی پرورش، حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی نگہبانی اور حضرت مولانا علی میاںؒ کی والدہ محترمہ کی نگہبانی اور ان کی ہدایات آپ کے لیے مشعل راہ ہیں، اس لیے حضرت مولانا علی میاںؒ کی زندگی شروع سے لے کر آخر تک صالحیت ہی پر مبنی رہی۔

امام غزالیؒ کی کتاب "المنقذ من الضلال" کا عکس مجھے حضرت مولانا علی میاںؒ کی زندگی میں ملتا ہے کہ کس طرح زندگی کے آغاز میں ان کا قلب بے چین اور دردمند تھا، انہیں سکون وعافیت کی تلاش تھی، ذاتی لحاظ سے بالآخر آپ اس منزل پر پہنچے جہاں آپ کو یہ محسوس ہوا کہ سعادت حاصل کرنے کا کیا راستہ ہے، اور حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے وابستہ ہوئے جیسا کہ امام غزالیؒ نے سفر کیا تھا اور اس منزل پر پہنچے تھے۔

حضرت مولانا علی میاںؒ میں خوردنوازی، کسرنفسی، استغناء اور انکسار بہت تھا کہ اتنی بڑی مختلف الجہات شخصیت، کتابوں کے انبار، تقریروں کے انبار، دعوتوں کے انبار، انعامات کے انبار، کوئی ہم جیسا شخص ہوتا تو نہ جانے کب کے پگھل چکا ہوتا، بہت کم لوگوں میں یہ خصوصیات پائی جاتی ہیں، جنرل ضیاء الحق کے زمانہ میں سیرت کے جلسہ کے تعلق سے مولانا پاکستان تشریف لائے، ضیاء الحق صاحب نے حضرت مولانا کو اسی تعلق سے ایک بہت خطیر رقم پیش کی، حضرت مولاناؒ نے اسی وقت بیٹھے بیٹھے نصف رقم میری والدہ کو اور نصف رقم دارالمصنفین کو پہنچادی، یہ کام آسان نہیں ہے، اسی طرح سے ۱۹۹۸ء میں حضرت مولاناؒ کے انتقال سے ایک سال قبل میں ندوہ آیا اور ندوہ میں آنے سے پہلے میں حضرت مولانا سے رابطہ کر کے یہ طے کر لیتا تھا کہ ان تاریخوں میں وہاں ہوں گے یا نہیں ہوں گے، اب آفتاب عمر ڈھل رہا تھا اور وہ عمر کی اس منزل پر تھے جہاں وہ چوبیس گھنٹے اللہ کی اوٹ میں لگے ہوئے تھے اور اٹھتے بیٹھتے ان کی زبان پر اللھم لقائک، اللھم لقائک، اللھم لقائک کا ورد جاری تھا، حضرت مولاناؒ نے ندوہ میں فرمایا کہ میرے لیے ایک تقریر کا انتظام کیا جائے، مجھے تأمل تھا لیکن حضرت کا اصرار تھا، جب تقریر کا وقت آیا تو جلسہ میں جانے کے لیے آپ کھڑے ہوگئے اور ساتھ چلنے لگے، میں نے کہا: حضرت! کہاں جارہے ہیں؟ فرمایا کہ جلسہ میں جارہا ہوں، میں نے کہا: حضرت! جلسہ تو میرے لیے ہے آپ وہاں جا کر کیا کریں گے؟ میں تھوڑا سا اپنی نسبت گستاخ تھا وہ اس کو برداشت بھی کر لیتے تھے، پھر کہنے لگے، نہیں! میں تو چلوں گا، اور پھر میں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ کیسے نہ جاؤں؟ سید صاحبؒ کے میرے اوپر اتنے احسانات اور اتنے حقوق ہیں وہ اب تک ادا نہیں کر سکا اب تمہارے ذریعہ اس کو ادا کرنا چاہتا ہوں، مجھے اس پر بھی تأمل ہوا تو میں نے کہا: حضرت! تقریر تو ایک ہی کی ہوگی، یا آپ کی ہوگی یا میری، تو پھر آپ ہی تقریر فرمالیں، مگر مانے نہیں پھر بھی چلتے رہے، مولوی عبداللہ عباس صاحب بھی تھے، میں نے کہا: حضرت! پھر ایک مصالحت کر لیجئے کہ آپ تشریف لے چلئے، آپ کو جو کچھ کہنا ہے وہ آپ کہہ لیں پھر تشریف لے آئیں، تو مجھے بھی سکون ہوگا اور میں بھی کچھ کہہ سکوں گا، آپ نے بات مان لی، اتنی شفقت اور اس قدر خوردنوازی کہ آدمی کو شرمندگی ہو!!

دوسری چیز جو میں نے اپنی پوری زندگی میں محسوس کی کہ ان کی پوری زندگی اس نہج پر گزری تھی کہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے تعلق کے بعد سوائے اس کے کہ کچھ ذکر بڑھ گیا ہو اور کوئی خاص فرق مجھے محسوس نہ ہوا، یہ جواب ہے ان لوگوں کے لیے جو یہ سمجھتے ہیں کہ کسی شیخ سے تعلق قائم کرنے کے بعد اسکی علمی زندگی ختم ہوجاتی ہے، خود ہمارے والد ماجدؒ نے حضرت تھانویؒ سے تعلق کے بعد حیات شبلی لکھی، ہمارے حضرت مولانا علی میاںؒ کی علمی کاوشیں آخر آخر تک جاری رہیں تو تعلق مع اللہ اور اپنے تزکیہ واحسان کے لیے کسی مرشد کا ہاتھ پکڑنا اور بات ہے اور علمی کام اور بات، ایک چیز اور میں نے دیکھی کہ شریعت کے مسلمات کا جب وقت آتا تھا، عقائد کا جب مسئلہ ہوتا تھا، امت مسلمہ کے نفع ونقصان کا جب وقت ہوتا تھا تو اس میں آپ مداہنت نہیں کرتے تھے، پھر اس میں آپ تیغ براں تھے، شمشیر بے نیام تھے؟

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

آپ حضرات ہندوستان میں ہیں تو آپ کو اس بات کا اندازہ ہے کہ مشکل سے مشکل وقت پر انہیں کی قیادت کام آئی اور آپ ہی نے ملت کو سنبھالا دیا، قطر میں تعلیم کے موضوع پر ایک کانفرنس تھی، غالباً ۱۹۷۹/۷۸ء کا وقت تھا، ہمارے مولوی عبداللہ صاحب ساتھ تھے، میں بھی حاضر تھا، اس وقت نجم الدین اربکان جو اسلامی پارٹی کے لیڈر تھے اس زمانہ میں وہاں آئے ہوئے تھے اور اوپننگ سیشن میں حضرت مولاناؒ کا کلیدی خطبہ تھا، اور اس سے پہلے نجم الدین اربکان کی تقریر تھی، نجم الدین اربکان نے اپنی تقریر میں خلافت اسلامیہ کے احیاء کا ذکر کیا، اس ایک ترک کی زبان سے خلافت اسلامیہ کے احیاء کا ذکر حضرت مولانا علی میاںؒ کے دل کے تاروں کو چھیڑ نا تھا، جو خطبہ وہ دینا چاہتے تھے وہ تو انہوں نے الگ کر دیا لیکن اس کے بعد جو تقریر کی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایسا جوش ہے کہ سینے سے چیزیں ابل ابل کر آرہی ہیں، اور بہت ہی صاف

کھری باتیں! اور یہ سمجھیے کہ قطر میں یہ بات ہو رہی ہے جہاں عرب حضرات موجود تھے، اس سے آپ اندازہ لگائیے ان کی جرأت کا، وہ مصر ہو یا شام، یمن ہو یا پاکستان یا کوئی بھی مسلم ملک ہو، وہاں اسلام کو Dilute کرنے کے لیے جو غیر اسلامی مساعی ہو رہی ہیں ان کے خلاف وہ ہمیشہ کھڑے رہے،

ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں ہم لوگ گئے، تعلیم پر ایک کانفرنس تھی، حضرت مولاناؒ تشریف لائے ہوئے تھے، آپ کا قیام تو عام طور سے مولانا عبداللہ عباس صاحبؒ کے یہاں ہوتا تھا، جس جگہ ہم لوگوں کا قیام تھا وہ حدود حرم میں ایک ہوٹل تھا Intercontinental وہاں جو حمام بنائے گئے تھے اس میں ایک سیکشن میں استنجے کے لیے کھڑے دیوار سے لگے ہوئے Urinal بنائے گئے تھے جس میں آدمی کھڑے ہو کر فراغت کر سکے، مجھے یہ خیال ہوا اور بڑا افسوس ہوا کہ حدود حرم میں یہ ہوٹل ہے اور یہاں کھڑے ہو کر پیشاب سے فراغت کے لیے یہ Urinal بنائے گئے ہیں! آخر کون غیر مسلم یہاں آئے گا؟ حضرت مولاناؒ کی تقریر ہوئی، باہر آ کر بیٹھ گئے، میں قریب ہی تھا، میں نے آپ کو توجہ دلائی اور عرض کیا کہ حضرت! کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس طرف ان حضرات کو آپ توجہ دلا سکیں؟ فرمایا: میں کہتا رہتا ہوں، پھر عجیب درد سے بھرا ہوا جملہ کہا کہ اگر میں اپنے سینے کو چیر کر کھول کے دکھا سکوں تو یہ بتاؤں کہ اس میں کتنے داغ ہیں!!

حضرت مولاناؒ کی شخصیت تحریکی شخصیت تھی، بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جو کام چھوڑ جاتی ہیں، بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جو نہ صرف یہ کہ شخصیت ساز ہوتی ہیں، عہد ساز ہوتی ہیں، بلکہ تاریخ ساز بھی ہوتی ہیں، حضرت مولاناؒ کی شخصیت انہیں شخصیتوں میں سے تھی کہ جو عہد ساز بھی تھیں، شخصیت ساز بھی تھیں، اور انہوں نے تاریخ بھی رقم کی اور یہ کام آسان نہیں ہوتا، ساتھ لے کر چلنا، صلح کل، لیکن عقائد کے معاملات میں کوئی مداہنت و مصالحت نہیں، اسی طرح سے جو تحریک انہوں نے چلائی اور جس طرح سے ندوہ کو جو مقام پہنچایا اور ندوہ سے جوان کو دل چسپی اور محبت تھی اور اس کے سلسلہ میں جو بے چینی رہتی تھی اس کی ایک مثال یہ سنئے! ہماری بہت دنوں سے کوشش تھی کہ حضرت مولاناؒ کو ساؤتھ افریقہ بلائیں اور میں نے اس سلسلہ میں خط بھی لکھا تھا، ایک مرتبہ آیا تو معاملات طے بھی ہو گئے اور ساؤتھ افریقہ آنے کی تیاری بھی ہو گئی تو مجھ سے فرمایا کہ دیکھو میں شاید آ بھی سکوں لیکن شرط یہ ہے کہ ندوہ کے لیے کوئی چندہ نہ کیا جائے۔

میں نے ان کو امریکہ میں دیکھا، جن حضرات کی نظر سے ان کی کتابیں گزری ہیں، اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، حدیث پاکستان وغیرہ، اگر آپ دیکھیں تو اس سے آپ کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ ان جگہوں پر آپ نے مداہنت سے کام نہیں لیا، غالباً ۱۹۸۰ء وغیرہ کی بات ہے، لندن کے ڈیوس بری میں مرکز قائم ہوا تو اس کے افتتاح کے لیے حضرت مولانا کو دعوت دی گئی، حضرت مولاناؒ نے جو تقریر کی اس میں آپ کے لیے اور ہمارے لیے دونوں کے لیے سبق ہے خاص طور سے آپ حضرات کے لیے جو یہاں ہندوستان میں ہیں یا وہ حضرات جو کسی دوسری جگہ مسلمان اقلیت میں ہیں ان کے لیے اس میں بڑا پیغام ہے، اس وقت انہوں نے کہا کہ آپ کے لیے میرا پیغام یہ ہے کہ جس جگہ آپ آئے ہیں اور رہ رہے ہیں یہ نئی زمین ہے، نیا آسمان ہے، یہاں آپ ہندوستان پاکستان کے مسائل کی بنیاد نہ ڈالیں، جو اختلاف ہندوستان پاکستان میں ہیں اسی طرح مسالک میں جو اختلافات ہیں وہاں آپ اپنے آپ کو تنہا کر کے نہیں رہ سکتے بلکہ وہ ایک کیسوٹی ہے، اسکے ساتھ اپنے آپ کو Isolate نہ کریں بلکہ ان کے ساتھ رہیں، اسلام کی اشاعت کا سب سے بڑا ذریعہ یہی صحبت تھی، یہی ایک دوسرے سے ملنا تھا، یہی معاشرت تھی، باہر عرب تجار جو گئے ان کی معاشرت اور اخلاق ہی سے لوگ متاثر ہوئے، ہندوستان میں اسلام محمد بن قاسم سے پہلے پہنچا ہے، کون سی تلوار تھی جو یہاں آئی؟ ساؤتھ افریقہ میں کوئی سی تلوار گئی؟ انڈونیشیا میں کون سی تلوار گئی؟ ہمارے تجار، ہمارے صوفیائے کرام، علماء اور داعی حضرات کا وہاں کے لوگوں سے ملنا جلنا اور اسلامی معاشرت کا اظہار اور اسلامی اخلاق کا اظہار یہ چیزیں ان کو متاثر کرتی تھیں، اور پھر ان کو وہ اسلام کی طرف راغب کرتی تھیں، حضرت مولانا علی میاںؒ فرماتے تھے کہ تم اپنے آپ کو یہاں Isolate کر کے مت رکھو، اگر Isolate کر کے رکھو گے تو ان تک تم کیسے دعوت پہنچاؤ گے؟

حضرت مولانا علی میاںؒ کی زندگی ایسی تھی کہ جو بھی ان کے ساتھ لگا وہ بن گیا، حضرت مولانا تھانویؒ کے سلسلہ میں والد ماجدؒ کا ایک شعر تھا۔

کیا بھری تاثیر میں مطرب تری آواز ہے
جو تری محفل میں بیٹھا وہ سراپا ساز ہے

میں سمجھتا ہوں کہ حضرت مولانا علی میاںؒ کے اندر بھی بالکل یہی بات تھی، آپ کی صحبت میں چاہے نجی صحبت ہو، جلوت ہو یا خلوت ہو اسی قسم کا احساس ہوتا تھا، بڑی نرم گفتگو فرماتے تھے، میں نے لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے میں کبھی آپ کو غصہ میں نہیں دیکھا، ایسا غصہ جس میں سخت الفاظ کہے جائیں، نرم گفتاری اور نرمی یہی آپ کے ہتھیار تھے، ان کے اسی ہتھیار سے لوگ شہید ہوتے تھے، ابھی

میں نے اپنی واقعہ آپ سے خود ہی بیان کیا۔

اپنی دعوت و فکر میں حضرت علی میاںؒ کی مثال ایک آفتاب کی سی تھی، یہ بات میں اس لیے نہیں کہتا کہ میرا تعلق حضرت سے ہے بلکہ میں بلا خوف تردید کہتا ہوں کہ اپنی صحبت اور نگرانی میں جو انہوں نے اپنے ورثاء چھوڑے ہیں ان کی حیثیت ان کی حیات میں ستاروں کی سی تھی، اور جب آفتاب روشن ہوتا ہے تو ستاروں کی روشنی نظر نہیں آتی، اب آفتاب کے غروب ہونے کے بعد ستاروں کی چمک ملتی ہے، سب اپنی جگہ پر ستارے ہیں، اور انشاء اللہ مجھے امید ہے (اور یہ دعا ہے) کہ یہ ستارے کسی وقت یقیناً بدر کامل بنیں گے، اور حضرت مولاناؒ نے جو مشن شروع کیا تھا وہ چلتا رہے گا، حضرت مولانا تھانویؒ کے انتقال پر والد ماجدؒ کا ایک شعر ہے۔

چاہا خدا نے تو تری محفل کا یہ چراغ
یونہی جلا کرے گا بجھایا نہ جائے گا

میں اس شعر کو حضرت مولانا علی میاںؒ کے ورثاء پر منطبق کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ یہ حضرات اسی طرح اس مشن کو لے کر چلیں گے، اور مشن کی کامیابی کا راز انہیں لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔

ایک آخری بات عرض کر دوں: خلوص فی اللہ اور اللہ تعالیٰ سے اخلاص، یہ کسی بھی ادارہ کی بقاء کے لیے ایک ضمانت رکھتا ہے، اگر کوئی ادارہ اپنی شکم پروری کے لیے قائم کرتا ہے تو اس ادارہ میں برکت نہیں ہوتی، اگر اس ادارہ کا انصرام اور قیام اسلام کی اشاعت کے لیے ہے اور اگر اخلاصاً اللہ اور للّٰہیت پر اس کو قائم کیا گیا ہے تو انشاء اللہ وہ تادیر قائم رہے گا اور جن جن اداروں کی یہ صورت حال ہے وہ قائم ہیں۔ حضرت امام مالکؒ جب موطا لکھ رہے تھے کسی نے آ کر کہا فلاں صاحب بھی موطا لکھ رہے ہیں، امام مالکؒ نے فرمایا کہ خلوص کو بقاء ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ آج جب بغیر کسی تخصیص کے مؤطا کا نام لیا جاتا ہے، تو اس سے مؤطا امام مالکؒ ہی مراد ہوتی ہے تاوقتیکہ آپ اس کی تخصیص کر دیں، اللہ تعالیٰ نے یہ انعام حضرت مولانا علی میاںؒ کو دیا تھا، اور ان کے ذریعہ ان کے ورثاء کو پہنچا ہے، اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس میں کامیاب کرے گا، اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائیں گے۔

حضرت مولانا کا حادثۂ انتقال ظاہر ہے کہ بہت سخت ہے، کوئی بھی اس دنیا میں رہنے کے لیے نہیں آیا، حضرت مولانا تھانویؒ کو کسی نے لکھا (آپ اس کا جوڑ حضرت مولانا علی میاںؒ کے اس جملے سے لگائیے جو وہ دہراتے تھے اللّٰھم لقائک، اللّٰھم لقائک، اللّٰھم لقائک) کہ میں نے سنا ہے کہ جب انبیاء پر آخر وقت آتا ہے تو ان کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ اس دنیا میں مزید رہنا چاہتے ہیں یا ہمارے پاس واپس آنا چاہتے ہیں، اور اگر ایسا ہے تو کیا یہ اختیار صوفیاء، بزرگان دین اور اتقیاء کو بھی ہے اور اگر ایسا ہے تو ہماری حالت پر کرم فرمائیے اور رحم فرمائیے، مطلب یہ تھا کہ آپ بھی اس دنیا میں رہنا قبول فرمائیے، حضرت مولانا تھانویؒ بہت ہی حکیم و حاذق تھے، انہوں نے جواب دیا: تم اپنے دماغ کا علاج کسی طبیب حاذق سے کراؤ، پھر فرمایا: اب بفرض محال اگر ہو بھی تو انبیاء نے کیا کہا "بل الرفیق الاعلیٰ" تو ہمارے والد حضرت مولانا اٹھتے بیٹھتے "اللّٰھم لقائک" دہراتے تھے، ان کو اندازہ تھا، اور جس حالت میں وفات ہوئی وہ خود ان کی مقبولیت اور اللہ تعالیٰ کے یہاں مغفرت اور انعام کی دلیل ہے۔

اگر آپ ان کی زندگی کا مطالعہ کریں تو آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ خواہ کوئی بھی جگہ ہو، یورپ ہو، امریکہ ہو، ہندوستان ہو، پاکستان ہو ہر جگہ مطمح نظر یہی رہتا تھا کہ اسلام کی سربلندی ہو، شریعت کا بول بالا ہو، جگر کا ایک مصرعہ تھا کہ ع

مرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

اگر اس کو بدل لیا جائے کہ ع

مرا پیغام شریعت ہے جہاں تک پہنچے

وہی ان کا مشن تھا، ایک سیمینار میں یہ ممکن نہیں ہے کہ ان کی ہر جہت کو لیا جا سکے، مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ اور بھی اس قسم کے سیمینار ہوں گے، میری ایک تجویز یہ ہے کہ جو سیمینار آئندہ مقرر کیے جائیں ان میں بہت سارے لمبے چوڑے عنوانات کے بجائے کچھ عنوانات کی تحدید کر دی جائے تاکہ سیمینار چھوٹے ہوں ایک ہی دن کے ہوں مگر یہ کہ پوری بات اس کے اندر سمجھ میں آ جائے، ظاہر ہے کہ حضرت مولاناؒ کے انتقال کا حادثہ جو لوگ ان سے قریب تھے، ان کے لیے ذاتی بھی تھا، لیکن سب سے بڑا نقصان امت مسلمہ کا تھا اس لیے کہ ایسی شخصیتیں ہر روز نہیں پیدا ہوتی، یہ شخصیتیں مدتوں کے بعد ہی پیدا ہوتی ہیں اور آخری شعر پیش کیے دیتا ہوں اس لحاظ سے کہ تکلیف ایسی ہے کہ جب بھی ذکر آ جائے جب بھی یاد آ جاتی ہے تو ایک ایسی ہی آہ اور ایک ایسی ہی کسک اٹھتی ہے، لیکن یہ کہ بہر حال اللہ تعالیٰ کا اپنا نظام ہے اس سے کوئی بچ نہیں سکتا، اس سے کوئی مفر نہیں ہے، بہر حال ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ان کی جو ہدایات ہیں اور ان کی جو علمی دعوت اور فکر ہے، اس پر ہم اپنے کو لگائیں اور اسی استغناء، اسی اخلاص اور اسی خلوص کے ساتھ ہم اس کو قائم کریں۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھو کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

☆☆☆☆☆

غزہ کا محاصرہ یا فلسطینیوں کی نسل کشی

ریاض احمد صدیقی

اسرائیل اپنے جارحانہ اور توسیع پسند عزائم کے بارے میں کوئی لچک نہیں رکھتا اور اپنے ظالمانہ موقف کے بارے میں ٹس سے مس نہیں ہو رہا ہے، بنیادی حساس موضوعات کو وہ چھیڑنا ہی نہیں چاہتا اور فلسطینیوں سے وہی مطالبہ کر رہا ہے جو امریکہ، برطانیہ، یورپ اور اسرائیل نواز عالمی لابی ہمیشہ سے دہراتی ہے...... امن...... امن اور امن...... صرف اسرائیل ہی کے لیے امن اور ہلاکت، تباہی، بدامنی اور قتل و غارت گری صرف اور صرف فلسطینیوں کے لیے۔

یہ عجیب و غریب اور ظالمانہ مساوات جو یہودی ذہن کی خاص پیداوار ہے اور جسے یورپ اور بعد میں امریکہ نے بحیثیت ملک و قوم اور نظام حیات اپنا لیا اور سینے سے لگا لیا ہے، اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ اسرائیل نے غزہ کا گزشتہ ۱۰؍ماہ سے محاصرہ کر رکھا ہے، مڈل ایسٹ اسٹڈی سینٹر کی رپورٹ کے مطابق خلیل الحیا نے کہا کہ غزہ کی پٹی کے محاصرے کی ذمہ داری اسرائیلی قابض فوج پر عائد ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب تک غزہ کا محاصرہ جاری ہے، اسرائیل بھی امن سے نہ بیٹھ سکے گا۔ حماس کے رہنما نے مزید کہا کہ حصار بندی کی وجہ سے غزہ کے شہری انتہائی تکلیف دہ صورت حال کا شکار ہیں۔ حصار بندی کے بعد اسرائیل نے جو پابندیاں عائد کر دی ہیں اس سے خواتین بچوں سمیت تکلیف میں مبتلا ہیں، انہوں نے عرب اور اسلامی ممالک کے عوام اور حکومتوں سے اپیل کی کہ غزہ کی پٹی کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لیے اپنی حکومتوں پر دباؤ ڈالیں اور غزہ کی پٹی سے محاصرے کے خاتمے کے لیے مظاہرے کریں۔

دوسری جانب محاصرہ مخالف عوامی مزاحمتی کمیٹی کے سربراہ مجلس قانون ساز کے رکن جمال الخدری نے کہا کہ آئندہ دنوں میں غزہ کی پٹی میں ایندھن کی عدم دستیابی سے مزید مسائل جنم لیں گے۔ مڈل ایسٹ اسٹڈی سینٹر کی رپورٹ کے مطابق انہوں نے کہا کہ غزہ میں پندرہ لاکھ باشندے ناکہ بندی کی حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور وہاں زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ انہوں نے پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ اسرائیلی قابض حکومت عالمی قوانین کی خلاف ورزی کر رہی ہے، انسانی حقوق کی تنظیمیں اور یورپی یونین کی پارلیمنٹ بھی اس پر خاموش ہے، انہوں نے بتایا کہ ضروریات زندگی کا صرف تیس فیصد اور مٹی کے تیل کا سات فیصد غزہ میں باقی رہ گیا ہے، وزارت زراعت و ماہی گیری نے خبردار کیا ہے کہ غزہ کی پٹی میں اشیائے خورد و نوش چند دنوں میں بالکل ختم ہو جائیں گی، وزارت صحت نے انسانی حقوق کی تنظیموں اور عالمی ادارہ صحت سے اپیل کی ہے کہ ایندھن کی فراہمی کے لیے اسرائیلی حکومت پر دباؤ ڈالیں، ادھر اسلامی جہاد کے اہم رہنما ڈاکٹر محمد الہندی نے کہا ہے کہ غزہ کی پٹی میں اقتصادی ناکہ بندی کی وجہ سے تباہ کاری ہوئی تو احتجاج کا رخ مصر کی سمت ہوگا، مڈل ایسٹ اسٹڈی سینٹر کی رپورٹ کے مطابق انہوں نے کہا کہ فلسطین کے مصر سے تاریخی روابط ہیں، اگر فلسطینیوں نے مصر کا رخ کیا تو مصری فوجی فلسطینیوں پر گولی نہیں چلائیں گے، انہوں نے مزید کہا کہ مصر نے غزہ کی پٹی کا مسئلہ حل کرنے کے لیے اپنی کوششوں میں اضافہ کیا ہے، فلسطین میں پیدا ہونے والی حالیہ تقسیم کے حوالے سے ان کی جماعت کے موقف کے بارے میں کیے گئے سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ حماس اور الفتح کو مل کر بیٹھنا چاہئے اور اس کے لیے کوئی شرائط پیشگی طور پر نہ رکھی جائیں، انہوں نے کہا کہ دونوں جماعتوں کو مصری حکومت نے دعوت دی ہے، انہوں نے مزید کہا کہ ہم اسرائیل کی یہ تجویز قبول نہیں کر سکتے کہ ہم جنگ بندی کریں گے اور اسرائیل حملے کرتا رہے، انہوں نے محمود عباس سے کہا کہ وہ اسرائیل سے مذاکرات بند کر دیں۔

غزہ کا محاصرہ ایک درد بھری داستان ہے، تقریباً دس ماہ سے جاری یہ محاصرہ دراصل اسرائیل کے ہاتھوں فلسطینیوں کی نسل کشی کا سلسلہ ہے اور یہودیوں کی تباہ و برباد کرنے کی مکروہ سوچ کا عکاس ہے، غزہ آنے جانے کے تمام راستے مکمل طور پر بند ہیں، کوئی گاڑی کوئی سواری، کوئی شخص غزہ آ سکتا ہے نہ وہاں سے جا سکتا ہے، اس مکمل بندش سے زندگی معطل ہو کر رہ گئی، ایندھن، پانی، ادویات، سامان خورد و نوش جو فلسطینی مقبوضہ علاقوں سے آتا تھا وہ بند ہو گیا، غزہ سے کچھ سامان تجارت خصوصاً فرنیچر، ملبوسات اور زیتون کی مصنوعات باہر جاتی تھیں وہ بند، غزہ میں موجود

۱۸؍ہزار سرکاری ملازمین کی تنخواہیں بند، غزہ سے لاکھوں افراد روزانہ محنت مزدوری کے لیے مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں جاتے تھے ان کے جانے پر پابندی، غزہ میں علاج کی سہولت محدود ہونے کے باعث سنگین امراض کے شکار افراد علاج کے لیے رفاہ کے راستے مصر لے جائے جاتے تھے، گزشتہ دس ماہ میں کئی افراد کو انتہائی مجبوری کے عالم میں مصر لے جانے کی کوشش کی گئی لیکن انہیں کئی کئی روز راستے ہی میں روکے رکھا گیا جس کی وجہ سے ۸۲؍افراد راستے ہی میں دم توڑ گئے، کئی مریض ایسے تھے کہ حصار سے پہلے مصری ہسپتالوں میں داخل تھے، انہیں علاج کے بعد واپس اہل خانہ کے پاس نہیں جانے دیا گیا ان میں کئی خواتین اور بچے بھی شامل تھے۔

۲۰؍جنوری ۲۰۰۸ء محاصرے کی ہلاکت خیزیوں کے عروج کا دن تھا، غزہ کی ۱۵؍لاکھ آبادی بجلی کے حصول کے لیے مقبوضہ فلسطینی علاقوں اور مصر سے آنے والی سپلائی کے رحم و کرم پر تھی، ۵۰؍فیصد بجلی جنریٹروں کے ذریعہ غزہ ہی سے فراہم ہو جاتی تھی، مقبوضہ علاقوں اور مصر سے آنے والی بجلی پہلے ہی بند کر دی گئی تھی، ۵۰؍فیصد پر کسی نہ کسی طرح گزارہ ہو رہا تھا لیکن یہ جنریٹر بھی تیل سے چلتے ہیں اور ایندھن کی سپلائی گزشتہ سات ماہ سے بند تھی، ۱۵؍لاکھ کی آبادی مکمل طور پر اندھیرے میں ڈوب گئی، بجلی نہ ہونے کی وجہ سے ٹیوب ویل بند ہو گئے، پانی ناپید ہو گیا، ہسپتالوں میں بجلی نہ ہونے کی وجہ سے جن مریضوں کے آپریشن ضروری تھے یا جن کے آپریشن ہو چکے تھے موت و حیات کی کشمکش سے دوچار ہو گئے اور اسی پر اکتفا نہیں

دراصل یہی راکٹ حملے اسرائیل کے لیے دردسر بن گئے ہیں، اسرائیل فلسطینی مجاہدین کے تیار کردہ راکٹوں سے نجات نہیں پا سکتا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مزاحمت کاروں کی عسکری قوت میں مزید تیزی آ رہی ہے اور وہ اسرائیل کے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہیں، اسرائیلی فوج ان تھک کوششوں کے باوجود فلسطینی مزاحمت کاروں کے تیار کردہ راکٹوں کا اب تک صرف تین فیصد توڑ کرنے میں کامیاب ہوئی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسرائیل بزور قوت اس کا خاتمہ نہیں کر سکتا، یہودی کہتے ہیں اسرائیل اس وقت صحیح پیمانہ پر کام نہ کر سکا جب مجاہدین یہ راکٹ تیار کر رہے تھے، اگر بروقت کوئی قدم اٹھا لیا ہوتا تو آج ہمیں راکٹوں کا نشانہ نہ بننا پڑتا، فلسطینیوں نے غلیل سے راکٹ تک کا سفر طے کر لیا ہے جو اسرائیل کے لیے نہایت تشویشناک امر ہے، ایک دور تھا کہ مزاحمت کار اسرائیلی فوج پر غلیلوں سے کنکریوں اور ٹوٹے شیشوں کے پارچہ جات سے حملے کرتے تھے اور اب مزاحمت کار راکٹ اور میزائل تک استعمال کرنے لگے ہیں۔

کیا گیا بلکہ اسی کے ساتھ ساتھ اسرائیل نے بمباری شروع کر دی اور حماس کے ذمہ داران اور نوجوانوں کو چن چن کر میزائلوں کا نشانہ بنایا جانے لگا۔

صہیونی فوج نے ۲۷؍فروری ۲۰۰۸ء میں فلسطینیوں کے خلاف غزہ پر قبضہ کرنے کے لیے آپریشن شروع کیا جن میں طیارے اور ٹینک استعمال کئے گئے، ذرائع کے مطابق پانچ دن کی کارروائی میں کم از کم ۱۱۵؍فلسطینی شہید ہوئے جن میں عام شہریوں کی بڑی تعداد شامل تھی، اسرائیلی فوج ۵؍روز کے بعد غزہ پر قبضہ میں ناکامی کے بعد واپس چلی گئی، تاہم اسرائیلی وزیر اعظم ایہود اولمرٹ نے پارلیمانی کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا کہ یہ محدود آپریشن نہیں تھا بلکہ ابھی ہم لڑائی کے درمیان میں ہیں، اولمرٹ کا کہنا تھا کہ غزہ سے حماس کے راکٹ حملے روکنے کے لیے کوئی بھی اقدام ممکن ہے جس میں فضائی حملے، زمینی کارروائی اور خصوصی آپریشن شامل ہیں۔

دراصل یہی راکٹ حملے اسرائیل کے لیے دردسر بن گئے ہیں، اسرائیل فلسطینی مجاہدین کے تیار کردہ راکٹوں سے نجات نہیں پا سکتا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مزاحمت کاروں کی عسکری قوت میں مزید تیزی آ رہی ہے اور وہ اسرائیل کے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہیں، اسرائیلی فوج ان تھک کوششوں کے باوجود فلسطینی مزاحمت کاروں کے تیار کردہ راکٹوں کا اب تک صرف تین فیصد توڑ کرنے میں کامیاب ہوئی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسرائیل بزور قوت اس کا خاتمہ نہیں کر سکتا، یہودی کہتے ہیں اسرائیل اس وقت صحیح پیمانہ پر کام نہ کر سکا جب مجاہدین یہ راکٹ تیار کر رہے تھے، اگر بروقت کوئی قدم اٹھا لیا ہوتا تو آج ہمیں راکٹوں کا نشانہ نہ بننا پڑتا، فلسطینیوں نے غلیل سے راکٹ تک کا سفر طے کر لیا ہے جو اسرائیل کے لیے نہایت تشویشناک امر ہے، ایک دور تھا کہ مزاحمت کار اسرائیلی فوج پر غلیلوں سے کنکریوں اور ٹوٹے شیشوں کے پارچہ جات سے حملے کرتے تھے اور اب مزاحمت کار راکٹ اور میزائل تک استعمال کرنے لگے ہیں۔

اسرائیلی بری فوج کے سربراہ کا یہ اعترافی بیان محض ایک خدشہ ہی نہیں بلکہ اپنی حد تک اپنے اندر پوری حقیقت رکھتا ہے، آج سے ۲۰؍سال قبل فلسطینی

مزاحمت کاروں کے پاس زیادہ سے زیادہ ایک فرسودہ بندوق ہی تھی جس سے اسرائیلی فوج کی گولیوں اور بموں کا مقابلہ کیا جاتا تھا یا پتھر تھے جو جوابی حملے کے کام آتے۔ ۹۰ء کی دہائی میں اسلامی تحریک مزاحمت (حماس) نے پہلی مرتبہ اپنا عسکری ونگ الگ کیا اور اس کا نام ''القسام بریگیڈ'' رکھا۔ عزالدین القسام ۱۹۳۰ء میں ایک عظیم مجاہد آزادی کی حیثیت سے ابھرے جو فلسطین میں آزادی کے ہیرو کے لقب سے جانے جاتے ہیں۔ ۱۹۳۵ء میں برطانوی فوج نے انہیں ان کے چار ساتھیوں سمیت شہید کر دیا تھا، عزالدین القسام کو فلسطین میں مسلح جدوجہد آزادی کا بانی بھی کہا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حماس نے اپنا ملٹری ونگ ان کے نام سے منسوب کیا، القسام بریگیڈ نے اسرائیل کے خلاف اپنی جنگی حکمت عملی میں جدت لانے کے لیے جدید اسلحہ سازی کی طرف توجہ دی، جنگ عظیم دوم کے دوران استعمال ہونے والے اسلحہ کی باقیات کو جمع کیا اور ۹۰ء کی دہائی کے آخر میں مزاحمت کار ایک ایسا راکٹ تیار کرنے میں کامیاب ہوگئے جو آٹھ سے بارہ کلومیٹر تک مار کرنے اور اور ایک سے تین کلوگرام وزنی خیز مواد لے جانے کی صلاحیت کا حامل تھا۔ (راکٹ کا نام القسام 1) رکھا گیا جو کمانڈر عزالدین القسام سے منسوب تھا، اس کی لمبائی چھ فٹ سات انچ، موٹائی ۶ انچ، وزن ساڑھے پانچ کلوگرام اور اس میں ایک کلوگرام وزنی خیز مواد لے جانے کی صلاحیت تھی، اس کا باقاعدہ طور پر پہلا تجربہ ۱۹۹۹ء کے آخر میں کیا گیا، اس کا نشانہ غزہ کے قریب ہی واقع یہودی کالونی ''سدیروٹ'' تھی، سدیروٹ غزہ کی پٹی سے چند ہی کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، اس کے بعد القسام میزائلوں کی مزید سیریز کی تیاری کا سلسلہ شروع ہوگیا جس کی رینج پندرہ کلومیٹر تک تھی۔ القسام ۴ بیس فٹ جب کہ اس کی قوت کار پہلے کی نسبت بہت زیادہ ہے، اس میزائل کی رینج ۲۵ کلومیٹر تک ہے، اس کے علاوہ القسام بریگیڈ نے ''ہاون'' میزائل بھی تیار کئے ہیں، ہاون میزائل ٹینک تباہ نہیں کر سکتے تاہم ٹینک کی چین میں الجھ کر اس کی کارکردگی متاثر کر دیتے ہیں اور بسا اوقات اسے الٹ بھی دیتے ہیں۔ اسرائیل کے پاس سب سے زیادہ مضبوط ٹینک ''میرکافا'' ہے جو دنیا کا محفوظ اور مضبوط ترین ٹینک خیال کیا جاتا ہے، فلسطینی مجاہدین کے تیار کردہ ''ہاون'' میزائلوں سے یہ ٹینک بھی اب محفوظ نہیں رہا۔

حال ہی میں امریکہ اور اسرائیل کے درمیان فلسطینی مزاحمت کاروں کے تیار کردہ میزائلوں کے توڑ کے لیے ۳۷ ملین ڈالر کی لاگت کا ایک معاہدہ طے پایا ہے تاہم اسرائیلی ماہرین کا خیال ہے کہ اسرائیل کے لیے مزاحمت کاروں کے تیار کردہ راکٹوں کے توڑ کرنے کے لیے اب بہت کم وقت رہ گیا ہے اور یہ خدشہ پوری شدت کے ساتھ موجود ہے کہ مزاحمت کار راکٹوں کو اَپ گریڈ کرتے ہوئے اسرائیل کے لیے مزید مشکلات پیدا کریں گے۔

دوسری جانب اسلامی تحریک مزاحمت (حماس) کے تیار کردہ میزائلوں کی بڑھتی ہوئی رینج پر اسرائیلی خفیہ اداروں نے گہری تشویش کا اظہار کیا ہے خفیہ ادارے ''موساد'' اور ''شاباک'' کی جانب سے جاری کردہ تازہ رپورٹوں کے مطابق حالیہ دنوں میں مزاحمت کاروں کی طرف سے داغے گئے میزائلوں سے اسرائیل کی ایسی حساس تنصیبات کو نقصان پہنچا ہے جو بہت محفوظ سمجھی جاتی تھیں۔ خفیہ اداروں کا کہنا ہے کہ حماس ہزاروں کی تعداد میں ایسے میزائل تیار کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

مزاحمت کاروں کی طرف سے ''ہاون'' میزائلوں کے بڑھتے ہوئے خطرات کے باعث اسرائیلی صدر شمعون پیریز نے کہا کہ راکٹ حملے اسرائیلی عوام کے لیے تباہ کن ثابت ہو رہے ہیں، یورپی یونین سے بات چیت کرتے ہوئے پیریز نے اعتراف کیا کہ فلسطینی راکٹوں سے اڑھائی لاکھ اسرائیلی عوام کی زندگیاں خطرے میں پڑ چکی ہیں۔ یہ راکٹ حملے ہمارے صبر کا امتحان ہیں، ان سے نجات کے لیے اسرائیل کو مشکل فیصلے کرنا ہوں گے۔ غزہ اور اس کے گردونواح میں فلسطینی راکٹ حملوں میں یہودی آبادیاں بری طرح متاثر ہوئی ہیں۔ ''سدیروٹ'' اور ''عسقلان'' سب سے زیادہ نشانہ بننے والے شہر ہیں، ان دونوں شہروں سے اب تک یہودیوں کی ایک بڑی تعداد نقل مکانی کر کے دوسرے علاقوں میں پناہ گزیں ہو چکی ہے۔

انہی راکٹ حملوں نے اسرائیل کو مصر کے ذریعہ حماس کو امن معاہدے اور جنگ بندی کی پیشکش کی، اس کی تفصیل حماس کے سربراہ خالد مشعل نے الجزیرہ ٹی وی کو انٹرویو میں بیان کی، انہوں نے کہا کہ امن معاہدے اور جنگ بندی کی پیشکش صہیونی حکومت کی جانب سے اس وقت آئی جب وہ غزہ کو سرنگوں کرنے میں ناکام ہوئے، اس حوالے سے فلسطین کی عسکری تنظیمیں خصوصاً القسام بریگیڈ لائق ستائش ہے جنہوں نے اسرائیل کے منصوبے کو ناکام کیا حالانکہ اسرائیل اس بات کو سمجھتا تھا کہ گویا غزہ کو کنٹرول کرنا اس کے لیے آسان ہے لیکن جب اسرائیل ناکام ہوا تو اس کے بعد سے امریکی وزیر خارجہ کونڈولیزا رائس خطہ میں

کود پڑیں اور انہوں نے جنگ بندی کی بات کی، دوسری بات یہ ہے کہ سب اس بات کو جانتے ہیں کہ جنگ بندی کی پیشکش حکومت مصر کی طرف سے آئی ہے، اس بات کو امریکی بھی جانتے ہیں حالانکہ وہ اس کا انکار کرتے ہیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ پیشکش حماس نے نہیں کی تھی، حکومت مصر نے حماس کے ساتھ مذاکرات کیے اور ہم نے ان کے سامنے اس والے سے شرائط رکھیں، ہم نے جنگ بندی کی بات کی جس سے پہلے ضروری ہے کہ ناکہ بندی ختم کر دی جائے اور ایسی بات چیت ہو جس میں تمام فلسطینی فلیموں کی رضامندی شامل ہو مصری حکومت کا بھی اسرائیلی حکومت سے رابطہ تھا، اس ضمن میں مذاکرات کا ایک دور ڈاکٹر محمود الزہار کی قیادت میں حماس کے وفد نے مصری حکومت کے ساتھ اور اسی بنا پر ہم نے جمی کارٹر کے مطالبہ کے وقت اس سے کہا کہ ہماری مصر کی حکومت سے بات چیت چل رہی ہے کہ اسرائیل ظلم بذکردے خصوصاً غزہ میں، مغربی کنارے کے شہر کی ناکہ بندی ختم کر دی جائے اور تمام راستے کھول دیئے جائیں تو ہم جنگ بندی کے حوالے سے مصر کی کوششوں کا مثبت جواب دیں گے اور میں اس ضمن میں یہ وضاحت بھی کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری طرف سے اس معاملے میں کوئی جلدی نہیں ہے، حکومت مصر اس حوالے سے ثالث ہے اور ہم نے ان پر واضح کیا ہے کہ اسرائیل جو بات کہتا ہے اس کو لکھا جائے کیونکہ آپ اس بات کو جانتے ہیں کہ ۲۰۰۳ء اور ۲۰۰۵ء میں اسرائیل کے ساتھ جو بات چیت ہوئی وہ یک طرفہ تھی، اس میں تمام چیزیں حکومت مصر کی نگرانی میں ہو رہی تھیں اور اس بات پر ہم نے کہا کہ ان تمام چیزوں کو لکھا جائے تاکہ اسرائیل اس کا انکار نہ کر سکے اور دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا مقصد ان مذاکرات سے یہ ہے کہ ہم اپنے عوام کو اسرائیلی جارحیت سے بچائیں، ہم ناکہ بندی ختم کر سکیں اور فلسطینیوں کی آمدورفت کا سلسلہ شروع کیا جا سکے، ہم نے ناکہ بندی ختم کرانے اور کراسنگ پوائنٹ کھولنے کی بات اس مینڈیٹ کی بنیاد پر کی جو ہمیں فلسطینی عوام نے دیا ہے کیونکہ یہی ہمارے عوام کے فائدے میں ہے، ان تمام چیزوں کی ابتداء غزہ سے ہوگی کیونکہ جس حصار اور ناکہ بندی کا سامنا اہل غزہ کر رہے ہیں ضروری ہے کہ اس کو فوری ختم کیا جائے، ہم نے پورے فلسطین کی بات کی ہے، ہم نے اسرائیل کو خود نہیں کہا کہ ہم آپ سے جنگ بندی کرنا چاہتے ہیں، ہمارے سامنے تو مصر کی حکومت ہے اب اگر اسرائیل اس کا انکار کرتا ہے تو یہ مصری حکومت کے سامنے انکار کرنا ہوگا لیکن ہم اپنے عوام کے دفاع کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے، اگر اسرائیل نے ناکہ بندی ختم نہ کی تو غزہ میں ایسا لاوا پھوٹ پڑے گا جس کو کوئی نہیں روک سکتا ہے۔

سابق امریکی نوبل انعام یافتہ صدر جمی کارٹر نے کہا ہے کہ فلسطینیوں کا محاصرہ جرم اور وحشیانہ عمل ہے غزہ کے شہریوں کو موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے، غزہ کے بھوکے فلسطینیوں کو افریقہ کے غریب ترین حصوں میں بسنے والے افراد سے بھی کم غذا مل رہی ہے، سابق امریکی صدر جمی کارٹر نے غزہ کی فلسطینی عوام کا اسرائیلی فوج کی جانب سے محاصرہ کرنے کو جرم اور وحشیانہ عمل قرار دیا مگر سابق امریکی صدر کی یہ حق گوئی اسرائیل کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ پُرعزم سابق امریکی صدر جمی کارٹر نے ایک مرتبہ پھر امن کی کوششوں کا آغاز کیا ہے اس سلسلے میں انہوں نے شام کے دارالحکومت دمشق میں اسلامی مزاحمتی تحریک حماس کے رہنما خالد مشعل سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں جہاں فلسطینی وہیں اسرائیلی قیدیوں گیلاد شالت کی رہائی کے حوالے سے بھی گفت وشنید ہوئی، اسلامی تحریک حماس نے جمی کارٹر کے دورے کا خیر مقدم کیا، جب کہ اسرائیل و امریکہ نے اس دورے پر سخت برہمی کا اظہار کیا، مغربی اور امریکی پریس میں تواتر کے ساتھ جمی کارٹر کے دورے کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور لکھا گیا کہ جمی کارٹر دہشت گردوں سے بات چیت کر رہے ہیں، جمی کارٹر نے اس کا جواب یوں دیا کہ ''کسی زمانے میں مغربی دنیا میں الفتح کو بھی دہشت گرد قرار دیا تھا اور بعد میں الفتح سے بات چیت کرنی پڑی تھی'' انہوں نے کہا کہ فلسطین میں اس وقت تک امن قائم ہو ہی نہیں سکتا جب تک حماس اور شام کو مذاکرات میں شامل نہ کیا جائے کیونکہ حماس فلسطینی عوام کی حقیقی تنظیم ہے اور اس کا ثبوت ۲۰۰۶ء میں ہونے والے پارلیمانی انتخابات میں حماس کو ۷۵ فیصد نشستوں پر کامیاب کروا کر فلسطینی اپنی نمائندگی کا حق حماس کو دے چکے ہیں۔

اب اپنے عوام کو فلسطینیوں کے راکٹ حملوں سے بچانے کے لیے اسرائیل کو امن معاہدے کی ضرورت ہے اس لیے اسرائیل کے سرپرست صدر بش امن..... امن..... کا راگ الاپ رہے ہیں تو دوسری طرف فلسطینیوں کی نسل کشی کا سلسلہ جاری ہے، امریکہ اور اسرائیل کو سوچ لینا چاہئے کہ فلسطینیوں کی لاشوں پر امن قائم نہیں ہو سکتا، ایک آزاد اور خود مختار فلسطینی ریاست قائم کر کے ہی دیرپا امن قائم کیا جا سکتا ہے۔

(بشکریہ ایشیاء پاکستان)

☆☆☆☆☆

مولانا عارف صاحب ندویؒ

[حیات مستعار کے چند نقوش ☆ بھولی بسری کچھ باتیں]

سلمان نسیم ندوی

استاذ الاساتذہ مولانا عارف صاحب ندوی سنبھلی کی وفات پر دو سال کا عرصہ بیت چکا ہے، لیکن ان کی یادیں اور باتیں ابھی بھی بے ساختہ دل و دماغ پر دستک دیتی ہیں، انہی یادوں کے چند نقوش ایک شاگرد کے قلم سے۔

استاذ گرامی قدر جناب مولانا عارف صاحب ندویؒ سے میرا سب سے پہلا تعارف ۱۹۹۶ء میں ہوا اور وہ بھی دلچسپ۔ ان دنوں میں دار العلوم ندوۃ العلماء کی ایک قدیم شاخ "مدرسہ عربیہ بدریہ نگرام" میں زیر تعلیم تھا، مدرسہ کے مہتمم مولانا نذیر علی ندوی نگرامی مرحوم سید الطائفہ سید صاحب علیہ الرحمۃ کے شاگرد تھے، ان کو اپنے علاقہ کے خاص ماحول کی وجہ سے عقائد و فرق سے بڑی دلچسپی تھی، مدرسہ کی مختصر سی لائبریری میں اس موضوع کی کتابیں موجود تھیں، لائبریری میں داخل ہو کر جو کتاب ہاتھ لگ جاتی مطالعہ شروع کر دیتا، ایک مرتبہ ایک کتاب پر نظر پڑی، کتاب کا نام کانوں میں پڑ چکا تھا، دیکھنے کا اشتیاق بھی تھا، فوراً اٹھایا اور مطالعہ شروع کر دیا، کم علمی کی وجہ سے دوران مطالعہ مصنف کتاب کے قوت استدلال سے ذہن میں ایک زلزلہ سا محسوس ہونے لگا، کتاب کا نام بھی تو "زلزلہ" (مؤلفہ ارشد القادری) ہی تھا، مصنف کتاب نے اس میں چیلنج بھی کیا تھا کہ اس کا کوئی جواب نہیں لکھ سکتا، اگر کوئی جواب لکھ دے تو اس کو اتنے...... ہزار کا انعام دیا جائے گا میری بے چینی بڑھ گئی کہ پتہ نہیں اس کتاب کا جواب دیا گیا کہ نہیں، اپنے استاذ محترم سے معلوم کیا، تو تسلی ہوئی۔ "بریلوی فتنہ کا ایک نیا روپ" مؤلفہ مولانا عارف سنبھلی ندوی تک میری رہنمائی ہوئی اور پھر اس کا بھی مطالعہ شروع کر دیا، کتاب اپنے بلند مباحث کی وجہ سے سمجھ میں کم ہی آئی لیکن دل کو تسلی ہو گئی کہ کم از کم اس چیلنج کا جواب تو دیا گیا، البتہ جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ کتاب کا سنجیدہ اسلوب اور اس کا عنوان تھا، اس وقت ذہن میں یہ بات آئی تھی کہ عام مذاق کے مطابق کتاب کا عنوان ہونا چاہئے "زلزلہ در زلزلہ" یا "زلزلہ کا منہ توڑ یا سر توڑ جواب" یا اسی قبیل کے دوسرے الفاظ و صیغے کا استعمال ہوتا، لیکن کتاب کا عنوان تھا "بریلوی فتنہ کا ایک نیا روپ" اس عنوان سے جواب کا مقصد بھی پورا ہو رہا تھا اور لوگوں کی توجہ فتنہ کی طرف مبذول بھی ہو رہی تھی، ایسی کتابوں کی تصنیف کا مقصد بھی تو یہی ہوتا ہے، مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے مولاناؒ کے نام خط بھی لکھنے کی کوشش کی لیکن خط تو نہیں لکھ سکا صرف اپنی فرحت و انبساط کو چندوں سطروں میں قلمبند کر کے اپنے ساتھیوں کو دکھلانے پر اکتفا کیا، یہ تھا مولانا محترم سے میرا پہلا تعارف۔

پھر ندوہ میں میرا داخلہ ہو گیا، یہاں آنے کے بعد ماحول کی تبدیلی کی وجہ سے ذوق بھی بدلا اور مطالعہ کا رخ بھی، اس لئے مولانا سے براہ راست تعلق قائم نہ ہو سکا، اس میں میری کم ہمتی اور مولانا کے رعب و جلال کو بھی کافی دخل تھا، البتہ سال میں مولانا کے جو محاضرات ہوتے اس میں ذوق و شوق سے حاضری ہوتی اور ہر مرتبہ اپنے معلومات میں گرانقدر اضافہ کے ساتھ ہی واپس آتا، ندوہ میں تعلیمی سال کے آغاز میں دار العلوم میں ایک تربیتی پروگرام کا اہتمام کیا جاتا ہے مولانا کی تقریریں اس موقع پر علم و معلومات کے گہر اور خلوص و محبت کی موتیاں بکھیرتی تھیں۔

ندوہ میں میرا تعلیمی سفر جاری رہا اور ہشتم پشتم عالیہ رابعہ تک پہونچ گیا، اس موقع پر مولانا سے تفسیر پڑھنے کا سنہرا موقع ملا، مولانا کے تفسیر پڑھانے کا ایک خاص انداز تھا، وہ طلبہ کو نص سے قریب کرتے تھے اور اس بات کے سخت مخالف تھے کہ تفسیر کے گھنٹہ کو نحو، بلاغت، لغت یا فقہ کا گھنٹہ بنا دیا جائے، اس باب میں غالباً ان کا مذاق ان کے مخدوم گرامی، علوم قرآن کے رمز شناس حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے مذاق سے ملتا تھا، ان کا درس علامہ ابن تیمیہؒ کے حوالوں سے مزین ہوتا تھا اور فتاوی ابن تیمیہؒ کا تذکرہ تو بڑے اہتمام سے کیا کرتے تھے۔

ہم طلبہ کا ایک مزاج یہ تھا کہ درس کے دوران استاذ محترم جو تقریر و تشریح اور توضیح و تفسیر فرماتے اس کے مصادر کی تلاش رہتی، اس کی دو وجہیں تھی: ایک تو یہ کہ براہ راست ان مصادر سے بھی استفادہ کیا جائے اور دوسری اس سے بڑی وجہ یہ ہوتی تھی کہ اگر ان مصادر سے مطالعہ کر کے امتحان دیا جائے گا تو استاذ کے ذوق کے مطابق ہو گا اور نمبر زیادہ ملے گا، میں نے بھی اس کی کوشش کی، شروع میں تو مایوسی ہوئی لیکن پھر

تفسیر ماجدی اور مولانا کے مضامین میں کچھ اتحاد سا محسوس ہونے لگا، کم علمی کی وجہ سے اس یکسانیت پر حیرت بھی ہوئی اور کوئی مناسب توجیہ بھی سمجھ میں نہیں آئی، بعد میں یہ عقدہ کھلا کہ اس یکسانیت کی وجہ یہ نہیں تھی کہ مولانا تفسیر ماجدی کا مطالعہ کر کے آتے تھے بلکہ جو جامعیت مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کی تفسیر میں پائی جاتی ہے، عرصہ دراز سے تفاسیر کے مطالعہ اور تین دہائیوں پر مشتمل تفسیر کے درس اور مولانا علی میاںؒ و مولانا منظور نعمانیؒ کی صحبت سے وہ جامعیت مولانا کے اندر پیدا ہو گئی تھی۔

طلبہ کی فکری، ذہنی اور علمی تربیت کا مولانا کا ایک خاص انداز تھا، محاضرات کے اختتام کے بعد اور کلاس میں درس کے بعد مولانا اس کی اجازت عام مرحمت فرماتے کہ طلبہ جو سوال کرنا چاہیں کر سکتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ہر طالب علم سوال سے پہلے اپنے سوال پر غور ضرور کر لیتا، اس لئے کہ مولانا جواب تو ہر سوال کا دیتے تھے لیکن اگر سوال معقول ہو تو اس طالب علم کی تحسین و ہمت افزائی فرماتے اور اگر سوال میں نامعقولیت یا سطحیت ہوتی تو اپنے خاص ظریفانہ انداز میں اس پر تنبیہ بھی فرماتے۔

سوالات سے متعلق ایک مرتبہ یہ لطیفہ سنایا کہ میں نے ایک کلاس میں کہا کہ آج جس کو جس طرح کا سوال کرنا ہے وہ کر ڈالے، میں آج سب کا جواب دوں گا، چنانچہ طلبہ نے بے شمار سوالات کئے، جب وہ خاموش ہو گئے، تو میں نے کہا کہ ان تمام سوالوں کا جواب یہ ہے کہ مجھے نہیں معلوم۔ اس لطیفہ کو سنانے کے بعد اس پر یہ تبصرہ فرمایا: استاذ کو کبھی طلبہ پر اپنے علمی رعب قائم کرنے کا تاثر نہیں دینا چاہئے۔

مولانا زاہدانہ زندگی گذارتے تھے، بارہا اس کی تحسین فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے طلبہ میں بڑی سادگی ہے، کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ راقم نے مولانا کو مارکٹ سے سامان لے کر جاتے ہوئے دیکھا، لپک کر پہنچا اور گذارش کی کہ مولانا خدمت کا موقع مرحمت فرمائیں لیکن مولانا کسی طرح اس پر تیار نہیں ہوئے، مولانا جب کینٹین میں داخل ہوتے تو اپنی نگاہیں معمول سے زیادہ نیچی کر لیتے تاکہ طلبہ مولانا کو دیکھ کر اپنی نشستیں خالی کرنا نہ شروع کر دیں، ایک مرتبہ مولانا کینٹین میں داخل ہوئے اور میں نے اپنی کرسی پیش کر دی مولانا نے لینے سے صاف انکار کر دیا، کبھی کبھار ایسا ہوتا کہ مولانا کینٹین آتے، حسب خواہش کچھ لیتے اور پھر اپنے ہاتھ ہی میں لیکر کینٹین کے کسی دور افتادہ گوشہ میں بیٹھ جاتے، ان کی نگاہ ہم لوگوں پر نہیں پڑتی لیکن ہم لوگوں کا یہ عالم کہ اپنی جگہ سمٹ جاتے، فاصلہ کے باوجود آواز پست ہو جاتی، نگاہیں زمین کو تکنے لگتیں، ہر شخص خاموش ہوتا لیکن سب کے دلوں کی دھڑکن مولانا کی عظمت کی گواہی دیتی، یہ تھا مولانا کا تواضع اور رعب......

یادش بخیر۔ ایک مرتبہ میں کہیں جا رہا تھا، موتی محل پل پر مولانا کو تنہا رکشہ پر بیٹھے ہوئے دیکھا، ساتھ میں ایک تھیلا تھا، غالباً کسی پروگرام میں جا رہے ہو نگے، مولانا آگے نکل گئے، میں ٹیکسی کے انتظار میں رہا، جب میں چار باغ پہونچ کر ٹکٹ کاؤنٹر کی طرف گیا تو دیکھا کہ مولانا ٹکٹ لینے کے لئے قطار میں کھڑے ہوئے ہیں، اللہ اکبر! بے اختیار آگے بڑھا اور مولانا سے گذارش کی کہ میں ان کی جگہ قطار میں کھڑا ہو جاؤں لیکن مولانا نے صاف انکار کر دیا، میں اپنی لائن میں لگ گیا، کچھ دیر بعد مولانا کسی ضرورت سے باہر نکلے، جب دوبارہ اپنی جگہ پر جانا چاہا تو کچھ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی اور وہ اعتراض کی نگاہوں سے دیکھنے لگے، شاید کسی نے اعتراض بھی کیا، مولانا کچھ کہے بغیر لائن سے نکلے اور سب سے پیچھے جا کر کھڑے ہو گئے، جو لوگ واقف تھے کہ مولانا یہاں پہلے سے کھڑے تھے انہوں نے اصرار کیا کہ آپ اپنی جگہ پر آجائیں لیکن مولانا نے خوش اسلوبی سے ان کو ٹال دیا، اس وقت لوگوں کے چہروں پر استحسان و استعجاب کا ملا جلا عجب تاثر دیکھنے کو ملا، اس عمل کے ذریعہ مولانا نے یہ سبق دیا کہ ایسے موقعوں پر حوصلہ مندی سے زیادہ وسعت ظرفی کارآمد اور مفید ثابت ہوتی ہے، جس کی لاٹھی اس کی بھینس اور رسہ کشی کے اس دور میں اس طرح کے نمونے لوگوں پر غیر معمولی اثر چھوڑ جاتے ہیں اور یہی دعوت کی پہلی منزل ہوتی ہے۔

مولانا کی مجلسیں علمی اور دعوتی ہوا کرتی تھیں، ایک مرتبہ لکھنؤ میں کسی جگہ مولانا کا خطاب تھا، وقت مقررہ سے کچھ پہلے مولانا کی طبیعت ناساز ہو گئی، پریشان ہو گئے کہ اب کیا ہو گا، انہوں نے استاذ محترم مولانا عبد القادر صاحب ندوی (مد ظلہ) سے اس کا تذکرہ کیا، انہوں نے مشورہ دیا کہ کسی اور کو بھیج دیجئے، مولانا نے فرمایا: عین وقت پر کون تیار ہو گا؟ وقت عصر کے بعد کا تھا، میری شامت اعمال کہ میں اس وقت کینٹین میں بیٹھا ہوا تھا، مولانا عبد القادر صاحب نے میرا نام لیا اور مجھ کو بلوایا، صورتحال سے آگاہ کیا، پہلے تو مولانا کے رعب کی وجہ سے میں گھبرایا پھر احساس ہوا کہ مولانا ساتھ میں تھوڑے ہو نگے، چنانچہ اقرار کر لیا، بعد میں مولانا نے فرمایا: اگر میری طبیعت کچھ بحال ہوئی تو میں بھی ساتھ میں چلوں گا، اب میری جو کیفیت ہو سکتی ہے اس کا آپ اندازہ کر سکتے ہیں، نہ انکار کی گنجائش اور نہ اقرار کی ہمت، مجبوراً نام اللہ خاموش رہا، عشاء سے پہلے مولانا نے ایک طالب علم کو بھیجا اور جانے کی پوری تفصیل سے آگاہ کیا کہ مولانا آپ کو کہاں ملیں گے اور کیسے جانا

ہے، نماز پڑھ کر اپنی دانست میں تیزی سے مقررہ جگہ پہنچا، مولانا پہلے سے وہاں موجود تھے، گاڑی میں بیٹھے، مولانا کی یہ قربت پہلی بار ملی تھی اور ہیبت پہلے سے قائم تھی، سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ خاموش رہا جائے یا گفتگو کا آغاز کیا جائے؟ اور اگر کیا بھی جائے تو آخر گفتگو کا نقطہ آغاز کیا ہو؟ اسی دوران خدا نے مدد کی اور مولانا میری سرگرمیوں کے بارہ میں پوچھنے لگے اور اس طرح میری مشکل آسان ہوئی، دوران سفر بہت سی کام کی باتیں ہوئیں جن کا تذکرہ آگے آئے گا لیکن اس وقت تقریر کی بات مکمل ہوجائے۔

جلسہ گاہ پہونچنے کے بعد پروگرام شروع ہوا، تقریر سے پہلے مولانا نے میرا تعارف کرایا، اس کے بعد تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق اپنی بات شروع کی، مجمع اکثر عوام اور چندے خواص کا تھا، ہر مبتدی کی طرح میری باتیں بھی ایسی ہی تھیں جیسے دارالعلوم میں اپنی الاصلاح کے اسٹیج سے تقریر کی مشق ہو رہی ہو، بات مکمل ہوئی، اس کے بعد مولانا کی تقریر شروع ہوئی، جوں جوں مولانا کی تقریر سنتا جاتا تھا، مجھے خود اپنی تقریر پر شرمندگی ہوتی چلی جارہی تھی، ایک طرف مولانا کا علم یاد آرہا تھا اور دوسری طرف ان کا سادہ، البیلا، تفہیمی انداز پر غور کر رہا تھا، اور میرے سامنے یہ نقطہ اجاگر ہورہا تھا کہ عوام سے خطاب کیسے کیا جاتا ہے۔ "کلموا الناس علی قدر عقولهم أتريدون أن يكذب الله ورسوله"۔

بات سفر اور اس شرف ہم رکابی کی چل رہی تھی، میں نے مولانا سے جاتے وقت "عهد ألست" کی حقیقت کے بارہ میں سوال کیا، مولانا نے اختلاف آراء کے ساتھ مفصل جواب دیا اور فرمایا کہ مولانا ادریس کاندھلوی کی تفسیر "معارف القرآن" اس موضوع پر دیکھو! اس میں تفصیلی بحث ملے گی، میں نے عرض کیا: امام جلال الدین سیوطیؒ نے اس معاہدہ کے مقام کی تعیین کی ہے اور "نعمان" نامی جگہ کو اس کا مرکز بتایا ہے، مولانا نے فرمایا کہ یہ بات زیادہ مضبوط نہیں ہے، پھر فرمایا کہ عجیب بات یہ ہے کہ امام سیوطیؒ کی بعض تحقیقات جس قدر اعلی درجہ کی ہیں اسی طرح ان کی بعض باتیں بہت کمزور ہیں۔

تفسیر کے سلسلہ میں فرمایا کہ میں نے استفادہ حضرت مولانا علی میاںؒ اور مولانا منظور نعمانیؒ سے کیا ہے، مولانا اویسؒ سے بھی فائدہ اٹھایا ہے، مطالعہ کے دوران جو مقام دشوار محسوس ہوتا، اس کی نشاندہی کر لیتا اور دارالعلوم کے احاطہ سے باہر نکل کر اس راستہ پر کھڑا ہوجاتا جدھر سے مولانا اویس صاحب تشریف لایا کرتے تھے، اور ندوہ پہونچے پہونچتے تمام گتھیاں سلجھ چکی ہوتی تھی۔

واپسی پر میں نے عرض کیا کہ مولانا دعاؤں میں وسیلہ کی کیا حقیقت ہے؟ خاموش رہے، پھر میں نے عرض کیا کہ سید صاحبؒ نے "سفر حجاز" مؤلفہ مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کے مقدمہ میں یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ فرمایا: "سارا انحصار نیت پر ہے، میں نے بہت غور کیا لیکن مجھے کوئی واضح دلیل نہیں مل سکی، البتہ اس آیت ﴿ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان أن آمنوا بربكم فآمنا فاغفر لنا﴾ میں "فاغفر لنا" میں جو "ف" ہے وہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے کہ جو حضرات معافی طلب کررہے ہیں وہ یہ حوالہ دے رہے ہیں کہ آپ کے نبی نے دعوت دی، ہم نے تو آپ کے نبی کی بات مانی ہے اس لئے ہماری مغفرت ضرور فرمائیے، کلی طور پر تو نہیں البتہ اعمال صالحہ کے حوالہ کا معمولی اشارہ اس سے ملتا ہے"۔

مولانا اپنے مناظروں کے واقعات لطف لے لے کر سناتے تھے، اس سلسلہ میں ایک بات ابھی تک ذہن میں محفوظ ہے، مولانا فرمایا کرتے تھے:

"قدرت کا عجیب کرشمہ ہے کہ جتنے باطل فرقے ہیں اللہ تعالی نے خود ان کی تحریروں میں ایسی باتیں لکھوا دی ہیں جو ان کے عقائد اور افکار کے ردّ کے لئے کافی ہیں، اس لئے جب کسی باطل فرقہ پر گفتگو یا بحث ومباحثہ کی نوبت آجائے تو پہلے ان کی کمزوریاں انہی کے مصادر سے تلاش کرو! بہت سی چیزیں مل جائیں گی، میرا طریقہ یہی ہے اور یہی زیادہ موثر بھی ہوتا ہے"

مولانا اس پر بہت کبیدہ خاطر رہتے تھے کہ علماء حق بدعات کی سنگینی کو سنجیدگی سے نہیں لیتے، عالیہ رابعہ شریعہ میں مولانا نے عقائد وفرق پر نوٹس تحریر کرایا تھا جن کے نقوش ذہن کے پردہ میں ابھی تک محفوظ ہیں۔

مولانا کا وصف امتیازی جو سبھوں کے یہاں مسلم تھا وہ مولانا کی موحدانہ شان تھی، لیکن مولانا کی موحدانہ شان میں یہ خشکی نہیں اعتدال تھا، ہمیشہ بزرگوں کی صحبت اٹھاتے رہے، حضرت مولانا علی میاںؒ اور حضرت مولانا منظور نعمانیؒ پر تو جیسے فدا تھے، حضرت مولانا علی میاں سے اپنے تعلقات کے واقعات بڑے والہانہ انداز میں سناتے تھے خصوصا مولانا علیہ الرحمہ کی عسرت کے واقعات اس انداز میں سناتے کہ دل پسیج جاتا، شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ خود مولانا کی زندگی بھی اسی رنگ میں رنگی ہوئی تھی، دارالعلوم سے فارغ ہونے والے طلبہ کی علمی، فکری اور ذہنی تربیت کے لئے ان کو لیکر ایک ہفتہ کے لئے رائے بریلی تشریف لے جایا کرتے تھے، رمضان میں بھی رائے بریلی حاضر ہوتے، وہاں ان کا خطاب بھی ہوتا اور وہاں کے اوراد ووظائف میں بھی شریک ہوتے۔

مولانا اچھی سیاسی بصیرت بھی رکھتے تھے، حالات پر اچھی نگاہ تھی، ہندوستان میں بعض

مقررین (اس وقت حافظہ میں قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ کا نام موجود ہے) کے بڑے مداح تھے جن میں کچھ سیاسی نوعیت کے تھے اور کچھ خالص علمی و دینی، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میرے طالب علمی کے زمانہ میں لالو پرشاد جی لکھنؤ آئے تھے، مولانا دار العلوم کے ایک استاذ کے ہمراہ ان کی تقریر سننے گئے، کبھی کبھی مولانا مجھ سے پوچھا کرتے تھے، ان دنوں کیا لکھا، میں موضوع بتاتا، وہ مندرجات پوچھتے، اور پھر رائے بھی دیتے، فلسطین کے قضیہ سے ان کو خاص تعلق تھا۔

مولانا کی حق گوئی مشہور تھی لیکن یہ حق گوئی کبھی باعث نزاع نہیں بنی، مولانا کی حق گوئی کی معراج یہ تھی کہ وہ اپنے خلاف فیصلہ سنانے میں ادنی تأمل نہیں کرتے تھے، دارالعلوم میں حضرات نگراں کی میٹنگ ہوتی تو کہا کرتے کہ میں کچھ بھی نہیں کرپاتا ہوں، مجھے اپنی کوتاہی پر افسوس ہے۔

ان کی شخصیت بڑی بارعب تھی، دراز قد، گندمی رنگ، چہرہ سلیقہ سے تراشیدہ سفید داڑھی سے مزین، آنکھوں پر عینک، سر پر ندوی ٹوپی، ٹخنوں سے اوپر پائجامہ، پیروں میں ہمیشہ ایک ہی طرح کے بے موزوں کے جوتے، چلتے تو جیسے ڈھلوان سے اتر رہے ہوں، شجر ثمر دار کی طرح ہلکا خم، نگاہیں زمین پر، آواز میں جاہ وجلال، بولتے تو ٹھہر ٹھہر کر گویا سامعین کے دل ودماغ میں ایک ایک لفظ اتار دینا چاہتے ہوں، کسی کی بات سنتے تو اس طرح کہ تمام حواس اسی کی طرف متوجہ۔

مولانا سے آخری ملاقات انتقال سے دو دن پہلے ہوئی، میں مسجد کے سامنے والے دروازہ کے پاس سے گذر رہا تھا، مولانا مہمان خانہ کی طرف مسجد کے کونہ پر تھے، مجھ کو آواز دی، پہلے تو مجھے حیرت ہوئی، اس لئے کہ کبھی مولانا نے مجھ کو یہ شرف نہیں بخشا تھا، پاس گیا سلام کیا، مولانا نے فرمایا: کینٹین جا رہے ہو! میں نے عرض کیا: جی ہاں! فرمانے لگے: وہاں جناب ڈاکٹر ہارون رشید صاحب اور مولانا غفران صاحب ہوں گے، ان کو یہ خط دے دیجئے اور یہ پندرہ روپے بھی، اور ان سے کہ دیجئے کہ میری طبیعت خراب ہے۔ میں تجسس کے ساتھ رقعہ لیکر پہونچا، ان حضرات کو دیا، پیغام بھی پہونچا دیا، تجسس سے مجبور ہوکر انتظار میں رہا کہ دیکھیں آخر خط میں کیا لکھا ہے؟ اور پندرہ روپے کا راز کیا ہے؟ خط پڑھا گیا، لکھا تھا کہ طبیعت کی ناسازگی کی وجہ سے میں نیپال کا سفر نہیں کرسکوں گا، یہ پندرہ روپے اس لئے بھیج رہا ہوں کہ فون کرکے نیپال ذمہ داروں کو میرے بارہ میں اطلاع دے دیں۔

اس خط کو پڑھنے کہ بعد ان دونوں حضرات کا جو تاثر تھا وہ مولانا کی عظمت اور عقائد وفرق میں ان کے اختصاص اور انفرادیت کی معتبر دلیل تھی، دونوں حضرات کی زبان پر یہی تھا کہ ان کا بدل کہاں سے لاؤں؟ مجھ سے سوال کیا گیا کہ کوئی نام بتاؤ! میں نے کئی نام بتائے، لیکن ان حضرات نے مجھ سے پوچھا کہ یہ بتاؤ! ان میں سے کون مولانا کے موضوع پر بول سکتا ہے اور یہ بھی ذہن میں رہے کہ پروگرام سہ روزہ ہے، میرا جواب خاموشی کے علاوہ کیا ہوسکتا تھا۔

۹ر جون ۲۰۰۶ء مطابق بروز جمعہ علم وعمل، تقوی واخلاص کا یہ چراغ فجر کی نماز پڑھ کر بجھ گیا، جیسے رات بھر شمع اپنے خون جگر سے رات کی تاریکی کا مقابلہ کرتے کرتے گل ہوجاتی ہے، رب ذوالجلال مولانا کی تربت کو ٹھنڈی رکھے اور ادارہ کو ان کا نعم البدل عطا کرے۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ: ۱۳/کا)..... ان آواز دینے والوں کے بارے میں اللہ تعالی نے "لا یعقلون" (وہ سمجھ نہیں رکھتے) فرمایا ہے، اس لیے کہ وہ عام بادشاہوں میں اور آنحضرت ﷺ میں فرق نہیں کرسکے، یہ ان کی ناسمجھی کی کھلی دلیل تھی، پھر آگے صحیح طریقہ بھی بتادیا گیا۔

﴿ولو انهم صبروا حتى تخرج اليهم لكان خيرا لهم﴾ وہ اگر صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ خود نکل کر ان کے پاس آجاتے تو ان کے لیے خیر تھا۔

کہ یہ کمال ادب تقوی کی علامت ہے اور جب تقوی مزاج میں داخل ہوجاتا ہے تو انسان کا وہ احساس پیدا ہوجاتا ہے جس کے ذریعہ وہ اچھے برے میں فرق کرتا ہے، اچھائی کی طرف شدید رغبت پیدا ہوجاتی ہے اور برائی سے شدید نفرت محسوس ہونے لگتی ہے۔

واللہ غفور رحیم (بے شک اللہ تعالی بہت مغفرت کرنے والا اور نہایت رحم فرمانے والا ہے) پر اختتام آیت کا فرمادیا کہ کوئی بھی غلطی کے بعد ندامت کے ساتھ حاضر ہو تو اللہ تعالی پھر اس کی گرفت نہیں فرماتے بلکہ عفو ودرگزر کا معاملہ فرماتے ہیں۔

اس آیت شریفہ میں بنیادی طور پر محاسن اخلاق اختیار کرنے کی بھی دعوت دی گئی ہے، اسلام کی یہ اخلاقی تعلیم ہر ایک کے لیے ہے، یہاں تک کہ ہر جان رکھنے والے کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تلقین کی گئی ہے، لیکن سب سے بڑھ کر جو ذات اقدس عظمت وادب کی مستحق ہے وہ ذات نبوی ﷺ ہے جن کے بارے میں قرآن مجید کی گواہی ہے "انك لعلى خلق عظيم" (بیشک آپ بلند ترین اخلاق پر قائم ہیں) دوسری طرف آیت شریفہ میں جاہلی رسوم وعادات کو ترک کرنے کی بھی تلقین کی گئی ہے، اسلام اپنے پورے نظام کے ساتھ آچکا، جاہلیت کے کسی نعرہ، کسی طریقہ، کسی رواج کے لیے اب کوئی گنجائش نہیں۔

☆☆☆☆☆

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: آج کل ہوائی اڈوں، اسٹیشنوں اور سرکاری دفاتر کے استنجاء خانوں میں استنجاء کے لیے مخصوص قسم کے کاغذ (جس کو Toilet Paper کہتے ہیں رکھے ہوتے ہیں اور عام طور پر ان کا استعمال ہوتا ہے، کبھی کبھی اس کاغذ کے علاوہ استنجاء کے لیے اور کوئی دوسری چیز نہیں ہوتی ہے، سوال یہ ہے کہ استنجاء کے لیے ان کاغذوں کا استعمال از روئے شرع کیسا ہے؟

جواب: استنجاء کی غرض سے تیار شدہ کاغذ (Toilet Paper) کا استعمال برائے استنجاء درست ہے کیونکہ یہ کاغذ اسی کام کے لیے تیار کیے جاتے ہیں، لکھنے پڑھنے اور علمی کاموں میں ان کا استعمال ممکن نہیں ہوتا، ہاں! اگر یہ کاغذ ایسے ہوں جن پر لکھنا ممکن ہو اور ان کو ذریعہ علم بنایا جاسکتا ہو تو اس صورت میں ان کا استعمال استنجاء کے لیے مکروہ ہے، فقہاء نے کاغذ کو ذریعۂ علم ہونے کی وجہ سے قابل احترام قرار دیا ہے اور ان کی تعظیم کو آداب دین میں شمار کیا ہے۔ علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں: ”ہڈی اور قابل احترام چیز سے استنجاء کرنا مکروہ ہے اور یہی حکم کاغذ کا بھی ہے“ علامہ شامیؒ مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کی تعظیم آداب دین میں ہے۔ (ردالمحتار علی الدر المختار، ۱/ ۲۲۷) لہٰذا کاغذ اگر چکنا نہ ہو یعنی ڈھیلے کی طرح جاذب ہو اور نجاست دور کرنے کی غرض سے تیار کیا گیا ہو یعنی ذریعۂ علم کے لیے نہ ہو تو اس سے استنجاء بلا کراہت درست ہے۔

سوال: ایک گاؤں کے قریب ایک بڑا تالاب ہے، پورے گاؤں کی نالیاں تالاب سے جڑی ہیں، بارش کے دنوں میں خاص طور پر پورے گاؤں کا پانی تمام غلاظتوں اور گندگیوں کے ساتھ تالاب میں گرتا ہے، اسی تالاب میں لوگ کپڑے بھی دھوتے ہیں اور غسل کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ اس تالاب کا پانی پاک ہے یا ناپاک؟ کیا اس میں کپڑے دھونا اور غسل کرنا درست ہوگا؟

جواب: بڑا تالاب جاری پانی کے حکم میں ہوتا ہے، اگر پانی کا رنگ، بو اور مزہ نہ بدلا ہو تو پانی پاک ہوگا اور اس میں کپڑے دھونے اور غسل کرنے سے طہارت حاصل ہوجائے گی، (فتاویٰ ہندیہ، ۱/ ۱۸) البتہ اس تالاب میں چونکہ گاؤں کی نالیوں کا پانی گرتا اور جمع رہتا ہے، اس لیے اس میں کپڑے نہیں دھونا چاہئے اور نہ وضو اور غسل کرنا چاہئے، احتیاط اسی میں ہے۔

سوال: انجکشن لگوانے یا بدن میں خون اور گلوکوز چڑھوانے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

جواب: وضو ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کی بنیاد جسم سے نجس چیز کے نکلنے اور نہ نکلنے پر ہے، اگر انجکشن لگوانے یا خون یا گلوکوز چڑھوانے سے جسم سے خون نہ نکلے تو وضو نہیں ٹوٹے گا ہاں اگر خون نکل جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا، یہی وجہ ہے کہ اگر انجکشن کے ذریعہ بدن سے خون نکالا جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ اس صورت میں بدن سے نجس چیز کا نکلنا ثابت ہوگا جو ناقض وضو ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، ۱/ ۶)

سوال: دوران نماز وضو ٹوٹ جائے اور آدمی وہاں شرم کی وجہ سے جماعت چھوڑ کر وضو کرنے نہ جائے بلکہ نماز جاری رکھے تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر وضو ٹوٹنے کی نوبت آجائے تو وہاں سے ہٹ کر وضو کر کے دوبارہ نماز میں شامل ہونا چاہئے اور درمیان میں کسی سے گفتگو نہیں کرنی چاہئے، یہ عوارض فطری ہیں اس لیے احکام دین کے معاملہ میں حیا سے کام نہیں لینا چاہئے، حیا تو گناہ کے ارتکاب میں ہونی چاہئے، نہ کہ ایک حکم شرعی کی تکمیل میں، حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر دوران نماز کسی کے خروج ریح ہوجائے تو وہ وضو کرلے۔ (مشکوٰۃ، ۱/ ۴) دوسری روایت میں ہے کہ اگر دوران نماز کسی کے قے آجائے یا نکسیر پھوٹ جائے تو وہاں سے ہٹ جائے اور وضو کرلے اور اپنی پہلی نماز پر بناء کرلے جب تک اس نے گفتگو نہ کی ہو۔ (ہدایہ، ۱/ ۱۰) ان روایتوں سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ حکم شرعی پر عمل کرے نہ کہ شرم کی وجہ سے ترک حکم کرے۔ ☆☆☆

اہل مدارس واسکول کے لیے خوشخبری

عربی زبان قرآن وحدیث کی زبان ہے جنت کی زبان ہے، اس کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے تاکہ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کی زبان براہ راست سمجھ سکے۔ اسی لیے عربی زبان کو آسان کر کے جدید اسلوب میں چھوٹے بچوں کی نفسیات کو سامنے رکھتے ہوئے عمدہ کاغذ، خوبصورت طباعت اور ملٹی کلر میں مدارس واسکول کی ضرورت کے مطابق ”**لغتنا العربیة**“ کے نام سے درجہ اول تا پنجم تک کا مکمل نصاب تیار کرلیا گیا ہے۔ جو حضرات اپنے اسکول ومدرسہ میں ان کتابوں کو شامل کرنا چاہتے ہیں خصوصی رعایت کے ساتھ حاصل کرنے کے لیے رجوع کریں۔

مکتبۃ الشباب، ندوہ روڈ لکھنؤ، جامعۃ المعارف، دو محلہ روڈ، رامپور
مولانا علی میاں اکیڈمی بھٹکل، فرید بکڈپو، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی

ناشر مکتبۃ الروضہ، بھٹکل

عبدالمقیت قاضیا ندوی، موبائل: 09837501973

عارف باللہ حضرت سید شاہ نفیس الحسینیؒ

سید محمد امین حسنی

عارف باللہ حضرت سید شاہ نفیس الحسینی صاحب نور اللہ مرقدہ جن کو دنیا اور خصوصاً اسلامی دنیا ایک عظیم خطاط کی حیثیت سے جانتی اور پہچانتی تھی ایک قادر الکلام شاعر اور مرجع خلائق شیخ طریقت بھی تھے، ۵/ فروری کو انتقال فرماگئے۔

آپ کے اندر انکساری وتواضع اتم درجہ موجود تھی، آپ کی ہمہ جہت شخصیت کے مختلف شاندار اور تابناک پہلوؤں کا احاطہ کرنے کے لیے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

آپ ایک مرجع خلائق شیخ طریقت ہی نہیں بلکہ ایک نہایت ملنسار انسان بھی تھے، غمزدہ دلوں اور حاجتمندوں کے بے حد غمگسار اور ہمدرد اور ان کی فکر اور مدد اور خلق خدا کی خدمت پر کمر بستہ رہتے تھے، شان استغناء، زہد، غیرت وحمیت رکھنے والے درویش خداست اور صاحب قلم ہونے کے ساتھ ساتھ جہاد واجتہاد کے بھی نقیب وداعی تھے۔

پیدائش: آپ کی پیدائش ۱۳ ذی القعدہ ۱۳۵۱ھ بمطابق ۱۱ مارچ ۱۹۳۳ء گھوڑیالہ ضلع (سیالکوٹ) میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم وتربیت: آپ کی ابتدائی تعلیم قریبی قصبہ جوپانوالہ کے ہائی اسکول میں ہوئی۔ شروع ہی سے آپ نے فن خطاطی پر زور دیا اور اس کی تعلیم بھی خطاط القرآن والد ماجد سید محمد اشرف علیؒ سے حاصل کی، اس کے بعد فخر المحدثین حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کے شاگرد اور اپنے ماموں مولانا سید محمد اسلم صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

حضرت عبدالقادر رائپوری سے ارادت وتعلق

حضرت رائپوری کی پہلی زیارت ۱۹۵۶ء کو ہوئی، اسی کے اگلے سال جب حضرت رائپوری لاہور میں صوفی عبدالحمید صاحب کے بنگلہ میں تشریف فرماتھے، آپ کو ایک زبردست کشش اور جذبۂ صادق گوہر مقصود تک لے گیا اور آپ حضرت رائپوری کے دامن ارادت سے وابستہ ہوگئے۔ حضرت رائپوری نے آپ کے اندر غیر معمولی صلاحیت اور بے انتہا جذبہ کی صلاحیت کو محسوس کر کے آپ کو خلافت سے نوازا، آپ کو بھی اپنے شیخ ومرشد حضرت عبدالقادر رائپوری سے گہرا عشق تھا، شاہ صاحب خود بھی بلاشبہ شیخ زمانہ تھے، آپ کی مجلس میں معارف وحکم سے مستفیض ہونے والوں کو علم ہے کہ وہ تصوف وطریقت کے آداب واشغال اپنے شیخ ہی کے حوالہ سے بیان کرتے تھے۔

آپ کی مقبولیت پورے پاکستان میں بے انتہا تھی، جو بھی آپ سے ایک مرتبہ ملتا وہ آپ کا گرویدہ اور معتقد ہوجاتا، آپ بھی اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے تھے اور اس کے ساتھ محبت اور شفقت کا معاملہ رکھتے تھے۔ آپ کے متعلق پاکستان کی بڑی علمی شخصیت چیف جسٹس مولانا تقی عثمانی مدظلہ العالی رقم طراز ہیں:

”ہمارے مخدوم بزرگ حضرت سید انور حسین نفیس شاہ صاحب ان اصحاب کمال میں سے ہیں جن کی نظیر زمانے میں خال خال ہوتی ہیں، ان کی کتابت کی طرح ان کی شخصیت بھی حسن وجمال کا مرقع ہے، ان کے ہاتھوں سے پھول کھلتے اور باتوں سے پھول جھڑتے ہیں، اپنے فن اور ہنر میں بام عروج تک پہونچنے کے باوجود ان کی ادا میں تواضع، مسکنت اور سادگی رچی بسی ہے۔

آپ سے میری کبھی ملاقات نہیں ہوئی جس کا مجھے تا زندگی افسوس وقلق رہے گا البتہ فون اور خط کے ذریعہ کئی بار ملاقات ہوئی، وہ میرا بے انتہا خیال رکھتے اور دوسروں سے میرے بارے میں پوچھتے، اور سلام کہلواتے اور اپنی خاص دعاؤں میں مجھ جیسے بے حقیر کو بھی یاد رکھتے، آپ اتنی محبت اور شفقت کیساتھ بات کرتے کبھی کبھی محسوس ہوتا کہ ہم انہیں کے گھر کے ایک فرد فرید ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ سے آپ کو غایت درجہ تعلق اور محبت تھی، اسی کی بدولت آپ کو ہمارے پورے خاندان سے بھی تعلق تھا۔

آخری ایام

حضرت شاہ صاحب کے آخری کچھ سالوں سے طبیعت میں گراوٹ اور ناسازی کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی لیکن آپ نے جاتے جاتے ایک یادگار واقعاتی کتاب کی اشاعت کا اہتمام کیا (جس کے بارے میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ) فرماتے ہیں: میں نے وقائع احمدی کے اس ضخیم دفتر کو جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے، لفظ بلفظ پڑھنا شروع کیا، اس کو پڑھنے میں قلب پر ان حالات وواقعات کا عکس پڑتا تھا، ان واقعات نے بارہا دل کے ساز کو چھیڑا، بارہا قلب کو ایمانی حرارت بخشی، بارہا آنکھوں کو غسل صحت دیا، اور صاف محسوس ہوا کہ یہ وقت ایک ایمانی اور روحانی ماحول میں گزر رہا ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے یہ کام انجام دیا جب کہ ادھر کچھ دنوں سے آپ کی طبیعت میں گراوٹ زیادہ ہوگئی اور پھر سنبھل نہ سکی اور آخر آپ نے اس دار فانی سے دار باقی کی طرف رخت سفر باندھا، اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

☆☆☆☆☆

مولانا ڈاکٹر سید محمد اجتباء ندوی کی وفات

ادارہ

معروف علمی و دینی شخصیت اور فکر اسلامی کے ماہر ادیب و خطیب پروفیسر مولانا سید محمد اجتباء ندوی کا دہلی میں ۷۶ رسال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ مغرب کی نماز کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ کی جامع مسجد میں ان کی نماز جنازہ ہوئی اور جامعہ ہی کے قبرستان میں انہیں سپرد خاک کیا گیا۔ وہ ملک کے نامور عالم دین عربی اردو زبانوں کے ادیب اور متعدد کتابوں کے مؤلف تھے۔

۱۹۳۲ء میں مجھوا میر نامی گاؤں ضلع بستی میں پیدا ہوئے، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے عالم فاضل کی سند حاصل کر کے دمشق یونیورسٹی (شام) میں داخل ہوئے جہاں سے بی اے آنرس کرنے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم اے (گولڈ میڈل) اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی، جامعہ امام محمد بن سعود ریاض، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، کشمیر یونیورسٹی سری نگر اور الٰہ آباد یونیورسٹی میں استاد رہے۔ معروف و ممتاز عالم دین شہرہ آفاق مصنف، ادیب و خطیب مولانا ڈاکٹر سید محمد اجتباء ندوی کا دل کا دورہ پڑنے سے جمعہ کے وقت انتقال ہوا تھا۔ مولانا محمد اجتباء ندوی بستی کے علاقہ مجھوا میر میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی ان کے پردادا سید جعفر علی نقوی تحریک حضرت سید احمد شہید کے ممتاز کارکن اور ان کے خلیفہ تھے۔ بستی موجودہ سدھارتھ نگر کے موضع کرہی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور زمانہ طالب علمی سے ہی ان کے اندر دین وملت کے لیے کچھ کرنے کا جذبہ تھا وہ اپنے بڑے بھائی مولانا محمد مرتضی مظاہری کے ساتھ لکھنؤ آئے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی، وہ دارالعلوم ندوہ کے استاد بھی رہے۔ عربی کی صلاحیت ان کے اندر اعلیٰ درجہ کی تھی جب مولانا محمد الحسنی مرحوم نے البعث الاسلامی لکھنؤ سے جاری کیا تو اس کے ابتدائی معاونین میں مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، مولانا سید اجتباء ندوی شامل تھے۔ مولانا اجتباء ندوی، مولانا واضح رشید ندوی اور مولانا محمد میاں ندوی اور مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی میں آپس میں فکری ہم آہنگی، دعوتی جذبہ اور مسلم مسائل میں حصہ لینے کا حوصلہ تھا۔ ندوہ سے جامعہ 1965ء میں چلے گئے جہاں انہوں نے عربی خدمات پیش کیں اور ایک پوری نسل کی تربیت کی کچھ عرصہ تک جدہ ریڈیو اردو سروس میں بھی رہے۔ عالم اسلام کی اہم شخصیات سے انہوں نے استفادہ کیا جن میں خصوصیت سے ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی، مشہور ادیب و عالم شیخ علی الطنطاوی، محمد المبارک اور معروف الدوالیبی قابل ذکر ہیں۔ عالم اسلام کی ممتاز شخصیات کا ان کو شروع سے ہی اعتماد حاصل تھا۔ خاص طور پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا اعتماد رہا، حرمین شریفین کے موجودہ صدر شیخ صالح الحصین سے بھی ان کے اچھے روابط تھے۔ علامہ شیخ بن بازؒ سے بھی ان کے تعلقات رہے جب رابطہ ادب اسلامی عالمی کے قیام کے لیے عالم اسلام کے ممتاز ادباء نے لائحہ عمل طے کیا تو مولانا اجتباء ندوی بھی اس میں شریک تھے، انہوں نے مکہ مکرمہ کی میٹنگ میں بھی حصہ لیا۔ اس وقت وہ رابطہ کے ذمہ داروں میں شامل تھے، وہ دہلی دفتر کے صدر بھی رہے، انہیں عربی زبان وادب میں صدر جمہوریہ کا ایوارڈ بھی ملا تھا۔

پسماندگان میں ایک بیٹا سید محمد زبیر اور تین بیٹیاں ہیں۔ وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ہائر سکنڈری اسکول میں عربی کے استاد رہے اور پھر جامعہ ہی کے شعبہ اسلامک وعرب ایرانین اسٹڈیز کے ریڈر وصدر شعبہ بھی متعین ہوگئے۔ مولانا مرحوم اپنی عربی تقریروں اور تحریروں کی بنیاد پر عالم عربی میں خاص مقام رکھتے تھے۔ ان کی مشہور تصانیف درج ذیل ہیں: حضرت شاہ ولی اللہ کے علمی کارنامے (اردو، عربی)، نواب صدیق حسن خاں کے علمی وادبی کارنامے (اردو، عربی)، مولانا ابوالحسن علی ندوی بحیثیت ادیب اور داعی (عربی)، نقوش تابندہ (اردو)، تاریخ فکر اسلامی (اردو)، عورت اسلام کی نظر میں (اردو)، حقوق انسانی اسلامی شریعت میں (اردو)۔ پروفیسر اجتباء کے سیکڑوں مضامین عربی زبان کے مجلات وجرائد میں شائع ہوئے۔ جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد، دمشق یونیورسٹی، جامعہ ازہر اور مراکش، اردن اور کویت کی یونیورسٹیوں میں ان کے لیکچر ہوئے۔ دسمبر ۲۰۰۲ء میں انہوں نے کویت یونیورسٹی میں ہندوستان اور عرب کے ادبی روابط کے عنوان پر کلیدی خطبہ انٹرنیشنل سیمینار میں پیش کیا جو بہت مقبول ہوا۔ مولانا اجتباء، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کے معتمد شاگرد تھے۔ ان کے انتقال پر ندوۃ العلماء کے ناظم اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے رائے بریلی سے اپنے رنج وغم کا اظہار کیا اور ان کی وفات کو علمی ودینی حلقوں کے لیے خسارہ خصوصاً ندوۃ العلماء کے لیے بڑا نقصان قرار دیا۔

☆☆☆☆☆

پروفیسر اجتباء ندوی کے انتقال پر ندوۃ العلماء میں تعزیتی جلسہ

ادارہ

مولانا پروفیسر سید محمد اجتباء ندوی کی رحلت پر ایک تعزیتی جلسہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں زیر صدارت مفتی محمد ظہور ندوی نائب مہتمم دارالعلوم ہوا۔ جلسہ کا آغاز حافظ آصف اقبال ندوی کی تلاوت سے ہوا۔ مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری صدر شعبہ عربی ادب دارالعلوم نے کہا کہ ندوۃ العلماء کا ایک جلیل القدر فرزند دنیا سے رخصت ہوگیا، ان کے پردادا سید جعفر علی نقوی حضرت سید احمد شہیدؒ کے ممتاز خلفاء میں تھے، بالاکوٹ کے میدان میں شریک جہاد رہنے کے بعد اپنے علاقہ بستی اور اس کے اطراف میں دین کی دعوت کا کام کیا۔

مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری نے کہا کہ مولانا سید اجتباء ندوی کا سانحہ وفات بہت بڑا خسارہ ہے، ان کی شخصیت علم وعمل دونوں کی جامع تھی، ان کی تحریروں اور تقریروں میں اللہ تعالیٰ نے بلا کی طاقت رکھی تھی۔ مولانا عبدالقادر ندوی نے کہا کہ مولانا سید محمد اجتباء ندوی ایک کامیاب مدرس کے ساتھ نہایت مشفق اور بااخلاق انسان تھے، ان کی پوری زندگی علمی اور دعوتی کاموں میں گزری جو ہمارے لیے باعث رشک ہے۔

مولانا شمس الحق ندوی نے کہا کہ مولانا نے اپنی اسلامی ثقافت کو نامساعد حالات کے باوجود قائم رکھا۔ تعمیر حیات نے جب حضرت مولانا کے بارے میں خصوصی نمبر ترتیب دیا تو مرحوم اپنے رفیق ڈاکٹر سید ضیاء الحسن کے ساتھ اس میں حصہ لیا اور اپنے قیمتی مشوروں اور تجربات سے انہوں نے فائدہ پہونچایا۔ تعمیر حیات کو ترقی دینے میں ان کا کردار باعث فخر ہے۔ وہ اس کے لیے خصوصی طور پر مضامین بھی لکھا کرتے تھے۔

صدر جلسہ مفتی محمد ظہور ندوی نے کہا کہ اللہ کی مشیت انسانوں کی مرضی کے تابع نہیں ہوتی، مولانا مرحوم کا سانحہ وفات اللہ کی مشیت ہی تھی۔ مولانا ندوہ کی فکر کے نمائندہ وداعی تھے۔ مولانا نے ایک داعی اسلام کی حیثیت سے ہر ماحول میں اپنی زندگی گزاری وہ اس کے خاموش داعی تھے، جدید تعلیم یافتہ اور یونیورسٹی کے حلقہ میں ان کا بڑا احترام تھا، دہلی میں مقیم عرب ملکوں کے نمائندے ہندوستانی مسلمانوں کے بارے میں صحیح اور مستند معلومات کے لیے ان سے رجوع کرتے تھے، مولانا جب بھی دارالعلوم آتے تو اپنے بڑوں اور چھوٹوں سے انتہائی تواضع اور محبت واخلاص سے ملتے، اور اپنے قیمتی تجربات اور مشوروں سے طلبہ کو فائدہ پہونچاتے، تعزیتی جلسہ میں ندوہ کے اساتذہ اور طلباء موجود تھے۔

دوسری طرف دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے المعہد العالی للدراسات الاسلامیہ حیدرآباد سے بذریعہ ٹیلی فون مولانا ڈاکٹر اجتباء ندوی کے انتقال پر انتہائی رنج وغم کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ مولانا ہمارے ہم عصر تھے، وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فضیلت مکمل کرنے کے بعد مولانا علی میاںؒ کی ہدایت پر دمشق یونیورسٹی میں حصول علم کے لیے گئے۔ مولانا مرحوم کا اخلاق بہت بلند تھا، تواضع وانکساری ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

مولانا مرحوم کو عربی، اردو اور دیگر زبانوں میں عبور حاصل تھا، مولانا نے کہا کہ مولانا اجتباء مرحوم وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضرت مولانا علی میاںؒ کے حالات زندگی پر عربی میں کتاب تصنیف کی۔ مولانا اجتباء کا دارالعلوم ندوۃ العلماء سے گہرا تعلق تھا۔ ان کے علمی وادبی مضامین ندوہ سے شائع ہونے والے پندرہ روزہ تعمیر حیات میں شائع ہوتے رہتے تھے۔

ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی نے مولانا مرحوم کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ان کے لیے دعائے مغفرت کی۔ مولانا علی میاں اکادمی بھٹکل سے اس کے ناظم مولانا محمد الیاس ندوی نے بذریعہ فیکس اور لکھنؤ دوردرشن کے ڈپٹی ڈائرکٹر رفیق احمد خاں، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پروفیسر شفیق احمد خاں نے تعزیت کرتے ہوئے اپنے استاد کے انتقال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا۔

☆☆☆☆☆

مولانا سید محمد عامر حسینی کی وفات

جامعۃ الشیخ عبدالسلام الحسینی الاسلامیہ فتحپور ہنسوا کے ناظم اور عیدگاہ ہنسوا کے امام مولانا سید محمد عامر حسینی ندوی کا ۱۹ رجون ۲۰۰۸ء کی صبح فجر کی نماز کی امامت کرنے کے تھوڑی دیر بعد انتقال ہوگیا، نماز جنازہ ندوۃ العلماء کے ناظم مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے پڑھائی اور تدفین عیدگاہ کے قریب قبرستان میں ہوئی، مرحوم کی عمر تقریباً ۷۵ ربرس کی تھی وہ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے، مولانا بہت اچھی طبیعت کے مالک اور انتہائی خلیق تھے، ان کے ساتھیوں میں مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی، مولانا احمد علی (ڈائرکٹر دارعرفات)، مولانا حبیب ریحان خاں بھوپال وغیرہ شامل ہیں۔

پسماندگان میں تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولانا اجتباء ندوی کے انتقال پر [illegible] میں تعزیتی جلسہ

ادارہ

مولانا سید محمد اجتباء ندوی کی وفات کی خبر تمام علمی، دینی اور ادبی حلقوں میں بڑے رنج وملال کے ساتھ سنی گئی۔ ندوۃ العلماء کے ناظم اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اپنے تعزیتی بیان میں ان کی وفات کو ایک بڑا علمی اور ملی خسارہ قرار دیا اور اس کو اپنے لیے ایک برادرانہ اور ذاتی حادثہ اور خاندانی صدمہ قرار دیا، تکیہ کلاں دائرہ حضرت شاہ علم اللہ میں منعقد ہوئے تعزیتی جلسہ میں خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ان کا ندوۃ العلماء سے بڑا گہرا تعلق تھا، وہ اس کے ایک ممتاز فرزند اور نمایاں شخصیت تھے۔ ندوہ کے تعلیمی مسائل میں ان کے صائب مشورے بڑے کام آتے تھے۔ ملی مسائل میں بھی ان کی خدمات سامنے آئیں، آل انڈیا ملی کونسل اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے تعلق سے بھی ان کو جو اعتماد حاصل ہوا اس سے انہوں نے دینی کاموں کو تقویت پہونچانے میں فائدہ اٹھایا، عالم اسلام کی تاریخ پر ان کی گہری نظر تھی اور فکر اسلامی کا بڑی گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا تھا۔ انہوں نے بڑی محنت وجد وجہد سے علم دین حاصل کیا، ان کے مربیوں میں ایک اہم نام ان کے بڑے بھائی مولانا سید محمد مرتضٰی مظاہری ناظم کتب خانہ ندوۃ العلماء کا بھی ہے۔ ان کے خاندانی بزرگ مولانا سید جعفر علی نقوی حضرت سید احمد شہیدؒ کے قوت بازو اور جانشینوں میں تھے۔

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی معتمد تعلیم ندوۃ العلماء نے اظہار خیال کرتے ہوئے اس حادثہ کو اپنے لیے ذاتی اور عظیم ملی سانحہ قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر سید اجتباء ندوی سے ہمارا تعلق اس وقت سے ہے جب وہ "کرہی"، ضلع بستی میں پڑھتے تھے۔ ان کے بڑے بھائی مولانا سید محمد مرتضٰی صاحب کا ہمارے بڑے بھائی مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ سے گہرا اور دوستانہ تعلق تھا۔ اس تعلق سے ہم دونوں کا رابطہ مضبوط ہوا، ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد انہوں نے دمشق کی کلیۃ الشریعہ میں مزید تعلیم حاصل کی اس کے بعد ندوۃ العلماء میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، جب عربی مجلہ "البعث الاسلامی" لکھنؤ سے نکلنا شروع ہوا تو وہ اس میں شروع دن سے شریک ہوئے اور اس کے بانی مدیر مولانا سید محمد الحسنی کا مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کے ساتھ ہاتھ بٹاتے رہے۔ بعد میں جامعہ ملیہ اسلامیہ منتقل ہو گئے، عربی لکھنے، بولنے کی ان کے اندر اعلیٰ درجہ کی لیاقت تھی، عربی میں کئی اہم تصانیف ان کے قلم سے سامنے آئیں۔ عربی کے ساتھ اردو کے اہم ادیب بھی تھے، کئی اہم کتابیں اردو زبان میں لکھیں، جن میں نقوش تابندہ اور تاریخ فکر اسلامی خصوصی اہمیت کی حاصل ہیں۔ انہوں نے ہندوستان کے علماء اور مشائخ اور اساطین علم وادب کے علاوہ سعودی عرب، مصر اور شام کے اہم علماء سے بھی استفادہ کیا جن میں ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی، استاذ محمد المبارک، شیخ حسن حبنکہ، علی طنطاوی کے نام سرفہرست ہیں، شؤن الحرمین الشریفین کے صدر شیخ صالح الحصین سے بھی ان کے گہرے روابط تھے، ہندوستان کے علاوہ سعودی عرب کی متعدد یونیورسٹیوں سے بھی ان کا تعلق رہا۔

اوصاف وخصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ان میں علمی اور ادبی کمال کے ساتھ دعوتی اسپرٹ اور عزیمت کا وصف نمایاں تھا، مایوسی اور کم ہمتی کبھی بھی نہیں ہوئی، اپنی علالت کے باوجود جس کا آغاز کویت یونیورسٹی کے ایک علمی سفر سے ہوا تھا دعوتی وفکری تقاضوں کو پورا کرنے میں وہ مستعد رہتے، انہوں نے یونیورسٹی اور مدرسہ کے ماحول کو جوڑنے کی کوشش کی، اس طرح کئی نوعیتوں سے ان میں بڑی جامعیت پائی جاتی تھی وہ جے پور میں جامعۃ الہدایت کے بھی ذمہ دار رہے، ان کی ایک بڑی خوبی معاملات کو سلجھانا اور مسائل کو حل کرنا تھا، اس میں وہ حکمت وتدبر اور جرأت مندی سے کام لیتے، رابطہ ادب اسلامی کے کئی مسائل حل کرنے میں مدد کی۔

جلسہ میں مولانا عامر حسینی ندوی کی خوبیوں کو بھی یاد کیا گیا، جو ان کے ہی عہد کے دار العلوم ندوۃ العلماء کے سینئر فرزندان میں تھے، ان کا تعلق حضرت مولانا علی میاں کے خانوادے سے تھا، ان کا حادثہ وفات اس حادثہ سے ایک روز قبل پیش آیا۔

جلسہ کا آغاز مولانا سید محمد یوسف حسینی کی تلاوت کلام پاک سے ہوا، اور آخر میں صدر جلسہ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے بڑی پُر درد دُعا فرمائی۔

☆☆☆☆☆

پروپرائٹر ولی اللہ
Mobile: 9415090544 Shop: 2627446 Res: 2254796

WALIULLAH
JEWELLERS
ولی اللہ جوئیلرس
All Kinds of Gold, Silver & Diamond Jewellery
Jutey wali Gali, Aminabad, Lucknow

Maqbool Mian Jewellers
مقبول میاں جویلرس
Jutey Wali Gali, Aminabad Lucknow.
Mob: 9956069081-9919089014

ممبئی کے قارئین کی حدمت میں
ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے گزارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔
ALAUDDIN TEA
44, Haji Building S. V. Patel Road
Null Bazar, Mumbai-400003
Tele: Add Cupkettle
Ph: 23460220-23468708

Mohd. Irfan Mob. 9305672501
ARHAM
MEN'S WEAR
Specialist
Sherwani, Jodhpuri Designing Suits
KOREY WALI GALI, NEAR USMANIA MASJID
PATANALA, LUCKNOW

CAFE FIRDOS
کیفے فردوس
Partly Air Conditioned
MOGHALAI & CHINESE FOOD
Tel : 23424781-23459921
145, Sarang Street, Crawford Market, Mumbai-400003

R. U. Khan ace
Ph: 09335810078
09415001164
Label World
لیبل ورلڈ
Manufactures quality Woven Labels
ہر طرح کے کمپیوٹرائزڈ وووین لیبل
پرنٹیڈ لیبل کمپیوٹرائزامبرائڈری کے لئے
3, Vidhan Sabha Marg, Hazratganj, Lucknow-01(U.P.)India
Ph: +91-522-2623625 E-mail:riyazwise@gmail.com

Contact:
ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز
اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ
Shirts, Trousers, Coats, Embroidered, Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties.
شادی بیاہ، تیوہار اور تقریبات کے لئے شاندار ذخیرہ، تشریف لائیں قابل بھروسہ برانڈ
menmark
MFG, Wholesale, Export & Retail
58, Halwasia Market, Hazratganj, Lucknow. -226001